اگست تا ستمبر 2020ء

ماہنامہ

جہانِ رضا

لاہور

بیاد

اعلیٰ حضرت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی

ایڈیٹر

محمد منیر رضا قادری

- ★ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عطا سے قاسم ہیں
- ★ کنزالایمان کا مطالعہ رموز اوقاف کے تناظر میں
- ★ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر شعراء
- ★ انجینئر محمد علی مرزا کے ایک اعتراض کا جواب
- ★ دربار خواجہ غریب نواز میں اعلیٰ حضرت کی حاضری

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ امام احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہٗ کے افکار کا حقیقی وتحقیقی ترجمان

ماہنامہ

جہانِ رضا لاہور

شمارہ:۲۵۶_ستمبر ۲۰۲۰ء_محرم الحرام ۱۴۴۲ھ_جلد:۳۰

بیاد

مجدد دین وملت امام اہلسنت الشاہ امام احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ

بانی مجلس رضا: حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

بانی ماہنامہ: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

ایڈیٹر

محمد منیر رضا قادری رضوی عفی عنہ

فہرست

خط وکتابت ترسیل زر اور ملنے کا پتا

مسلم کتابوی
داتا دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ، لاہور
0321-4477511
042-37225605
Email:muslimkitabevi@gmail.com

زر تعاون
فی پرچہ -/30 روپے
سالانہ چندہ بذریعہ ڈاک -/500

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی عطا سے قاسم ہیں

شارح حدیث: ضیغم اسلام علامہ سیدی احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ

عن معاویة قال قال رسول اللہ ﷺ... وانما انا قاسم واللہ یعطی ''اور بے شک میں تقسیم کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔'' (مشکوٰۃ، کتاب العلم، فصل اول، حدیث ۳، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور، ج ا ص ۳۳)

''**یعطی**''، فعل ہے اور ''**قاسم**'' صیغہ اسم فاعل، اسم فاعل اور اسم مفعول یہ سب مشبہ فعل ہوتے ہیں، یعطی فعل ہے اور قاسم مشبہ یا فعل، اور قاعدہ ہ کہ کبھی مشبہ فعل کا معمول حذف کیا جاتا ہے، فصاحت و بلاغت کی کتابیں جیسے ''مختصر المعانی'' بیان کی شرحیں آپ پڑھیں، تو فعل و مشبہ فعل کے معمولات کو حذف کرنے کی وجوہات کا پتہ چل جائے گا، کبھی فعل اور مشبہ فعل معمول کو اس لیے حذف کیا جاتا ہے کہ معمول عام ہو جائے اور کبھی فعل اور مشبہ فعل کے عموم کو ثابت کرنے کے لیے معمول کو حذف کیا جاتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''**واللہ یعطی**'' اللہ دیتا ہے، اللہ کیا دیتا ہے؟ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے یعطی کا مفعول ذکر نہیں کیا کہ اللہ کیا دیتا ہے؟ کیونکہ اللہ ہر چیز دیتا ہے کس کس چیز کا ذکر کیا جائے، لہٰذا اِن چیزوں کا ذکر نہ کرنا، اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ دیتا ہے وہ عام ہے کبھی مفعول کے عام ہونے پر دلالت کرنے کے لیے مفعول کو حذف کر دیا جاتا ہے، جس طرح یعطی کا مفعول عام ہے اور اسی طرح ''**وَاَنَا قَاسِمٌ**'' کا مفعول بھی عام ہے، یعنی اللہ تعالیٰ سب کچھ دیتا ہے اور میں سب کچھ بانٹتا ہوں، نہ اللہ تعالیٰ کے دینے میں کمی

ہے اور نہ میرے تقسیم کرنے میں کوئی کمی ہے، اس کی عطا بھی عام ہے میری تقسیم بھی عام ہے، وہ دنیا بھی دیتا ہے میں دنیا بھی بانٹتا ہوں، وہ دین بھی دیتا ہے میں دین بھی تقسیم کرتا ہوں، علم، اولاد، ایمان غرض یہ کہ دین و دنیا کی ہر نعمت وہ دیتا ہے اور میں بانٹتا ہوں۔

ایک سوال

"واللہ یعطی وانا قاسم" حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات دنیوی کے ساتھ خاص تھی۔

جواب

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات کو نہ مانتا ہو وہ مومن بھی نہیں، کیونکہ یعطی میں استمرار ہے اور استمرار میں دوام کے معنی ہیں، جب حیات ختم ہوگئی تو عطا میں دوام کیسے ہوا؟ معلوم ہوا کہ نہ حیات ختم ہوئی اور نہ عطا، عطا مستمر ہے تو حیات بھی، اگر عطا منقطع ہو جائے تو حیات بھی منقطع ہوگئی، عطا منقطع ہوتی نہیں کیونکہ عطا میں استمرار ہے، لہٰذا زندگی بھی منقطع نہیں ہوتی، اگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات کا انکار کریں گے، تو عمل رسالت کا انکار کرنا پڑے گا اور عمل رسالت کا انکار ہم کر ہی نہیں سکتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تَبَارَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا

(سورہ الفرقان، آیت ۱)

''بڑی برکت والا ہے وہ جس نے فیصلہ کرنے والی کتاب اپنے (مقدس) بندے پر اُتاری تا کہ وہ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔''

میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم العالمین کے لیے نذیر اور رسول ہیں۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

(سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷)

''اور ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر (اے محبوب) سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔''

العالمین کے اندر دنیا بھی ہے اور عقبیٰ بھی، العالمین کے اندر عالم برزخ بھی ہے اور عالم آخرت بھی، العالمین کے اندر عالم

بیداری بھی ہے اور عالم نوم بھی، الغرض زمین، آسمان، ظاہر، باطن، تمام عالم خلق، تمام عالم امر، عالم اجسام، عالم ارواح، عالم جواہر، عالم اعراض، عالم معانی سب کچھ العالمین کے عموم میں شامل ہیں اور میرے آقا تمام عالموں کے رسول ہیں اور رسول کے معنی ہیں پیغام پہنچانے والا، پیغام پہنچانا ایک عمل ہے اور عمل حیات پر دلیل ہے، جہاں عمل ختم ہو جاتا ہے وہاں حیات ختم ہو جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب تک کسی کی نبض چلتی رہے، دل کی حرکت قائم رہے، تو حیات باقی ہے کیونکہ دل کا حرکت کرنا، نبض کا چلنا یہ ایک عمل ہے، جب تک عمل ہے تو حیات ہے عمل نہیں تو حیات نہیں، لہٰذا میرے آقا ہر آن اور ہر وقت رسول ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

اگر میرے آقا ہر آن اور ہر وقت رسول نہیں ہیں تو وہ وقت بتاؤ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رسول نہیں ہیں؟ جب کوئی ایسا وقت نہیں ہے کہ جس وقت عملِ رسالت نہ ہو اور جس وقت عمل رسالت نہیں ہوگا اس وقت حضور رسول نہیں ہوں گے اور جس وقت سرکار رسول نہیں ہوں گے، اس وقت ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے رسول ہونے کا کلمہ کیسے پڑھ سکتے ہیں؟ اس لیے ہر وقت اس کلمہ کا ہمارے اندر ہونا ضروری ہے، تو پتہ چلا کہ ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رسول ہونا ضروری ہے، اور یہ اس وقت ہوگا جب ہر وقت آپ کا عمل رسالت جاری ہو اور عمل رسالت تب ہی جاری رہے گا جب حیات جاری رہے گی، کیونکہ عمل بغیر حیات کے ہو نہیں سکتا، جہاں عمل ختم ہوگیا وہاں حیات ختم ہوگئی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عمل رسالت تا قیامت جاری ہے اور جاری رہے گا، حضور کی سخا اور عطا کی کوئی حد نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے اُمتیوں میں اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ تمام نعمتوں کو بانٹ رہے ہیں۔

(خطبات کاظمی، حصہ دوم، مطبوعہ مکتبہ انوار صوفیہ، علی پور، ضلع مظفر گڑھ، ص۹۱ تا ۹۴)

☆☆☆☆

کنز الایمان کا مطالعہ رموزِ اوقاف کے تناظر میں

پروفیسر دلاور خاں صاحب

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم اپنے زمانے میں ایک مدت مدید تک اس طرح زندگی بسر کرتے رہے کہ ہم میں سے ہر شخص قرآن حاصل کرنے سے پہلے ہی ایمان لے آتا تھا جوں ہی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر سورۃ نازل ہوتی تو ہم سب ان سے سورۃ کے حلال وحرام کی تعلیم حاصل کرتے اور ان مقامات کو معلوم کرتے جہاں پر قراءت میں ٹھہرنا (وقف) سزاوار ہے جس طرح تم لوگ قرآن کی تعلیم حاصل کرتے ہو اور بلاشبہ آج ہم بکثرت ایسے لوگوں کو دیکھتے ہیں جن میں سے ایک کو ایمان لانے سے پہلے قرآن کی تلاوت کا موقع نصیب ہوتا ہے وہ فاتحۃ القرآن سے لے کر اس کے خاتمے تک سب پڑھ جاتا ہے مگر اسے اتنی بھی خبر نہیں کہ قرآن کا امر کیا ہے نہ وہ اس کے زجر سے آگاہ ہوتا ہے اور نہ اس بات کو معلوم کرتا ہے کہ قرآن پڑھتے وقت اس میں ٹھہراؤ (وقف) کے مقامات کون کون سے ہیں۔''

نحاس فرماتے ہیں: ''لہٰذا یہ حدیث اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اوقاف کی تعلیم بھی اسی طرح حاصل کرتے تھے جس طرح قرآن کو سیکھتے تھے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ ''ہم اپنے زمانے کی ایک مدت تک زندہ رہے'' اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ یہ امر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت شدہ اجماع ہے۔ یعنی اوقاف کی شناخت کے بابت جو کچھ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس پر تمام صحابہ کرام کا باتفاق عمل درآمد تھا میں کہتا ہوں: اس قول کو بیہقی نے اپنے سنن میں بھی

بیان کیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خداوند کریم کے قول ''ورتل القرآن ترتیلا'' کی تفسیر میں وارد ہوا ہے کہ انہوں نے فرمایا: ''ترتیل حروف کے عمدہ طور پر ادا کرنے اور وقف (ٹھہراؤ) کے پہچاننے کا نام ہے'' ابن الانباری کہتے ہیں: ''قرآن کی پوری معرفت میں یہ بات بھی داخل ہے کہ وقف اور ابتداء کی شناخت حاصل ہو اور نکز اوی کا بیان ہے، وقف کا باب نہایت عظیم الشان اور قابل قدر ہے کیوں کہ کسی کو بھی قرآن کے معنوں اور اس سے احکام شرعی کی دلیلیں مستنبط کرنے کی شناخت اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک وہ فواصل (آیات) کو نہ پہچانے۔'' بہت سے پچھلے زمانے کے علماء نے اجازت قراءت دینے والوں پر یہ شرط لگا دی تھی کہ وہ جب تک کسی شخص کو وقف اور ابتداء کی شناخت میں بخوبی آزمانہ لیں اس وقت تک اسے سند قراءت قرآن عطا نہ کریں۔(۱)

ابتداء میں قرآن مجید کے حروف پر نقطے نہیں لگائے جاتے تھے اور نہ حرکات، سکنات اور اعراب لگائے جاتے تھے اور نہ رموز اوقاف تھے اہل عرب اپنی مادری زبان ہونے کے سبب، نقطوں اور حرکات وسکنات کے بغیر قرآن مجید بالکل صحیح پڑھ لیا کرتے تھے۔ نہ انہیں کسی فقرے کو ملانے یا وقف کرنے کے لیے رموز اوقاف کی ضرورت تھی یہ تمام امور ان میں معروف ومشہور تھے اس لیے وہ ان تمام کو لکھنے سے مستغنی تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو مصحف تیار کرایا تھا وہ بھی ان تمام سے معری تھا، پھر جیسے جیسے اسلام پھیلتا گیا اور عجمی لوگ مسلمان ہوتے گئے اور عربی مادری زبان نہ ہونے کی وجہ سے قرآن مجید کی قراءت میں غلطیاں کرنے لگے تو پھر قرآن مجید کی کتابت میں ان تمام امور کا اہتمام والتزام ہونے لگا اس ضرورت کے پیش نظر سب سے پہلے قرآن مجید کے حروف پر نقطے لگائے گئے پھر حرکات، سکنات اور اعراب لگائے گئے پھر قرآن مجید کو صحیح پڑھنے کے لیے قراءت اور تجوید کے قواعد مقرر کیے گئے اور عام لوگوں کی سہولت کے لیے علماء نے اہل

عرب کے دستور کے مطابق قرآن مجید کی تلاوت کے دوران سانس رکنے، سانس لینے، سانس توڑنے اور وقف کرنے کے لیے علامات وضع کیں جنہیں رموز اوقاف کہا جاتا ہے ٹھہرنے کا نام وقف اور ملانے کا نام وصل ہے۔

وقف کی چند معروف اقسام کا مطالعہ کرتے ہیں:

وقف لازم:

اسے کہتے ہیں اگر اس جگہ وقف نہ کیا جائے اور ملا کر پڑھا جائے تو ایسا بھی لازم آئے گا جو اللہ کی مراد نہیں جیسے:

وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۘ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ (۲)

ترجمہ: اور وہ ایمان والے نہیں ○ فریب دیا چاہتے ہیں اللہ۔

اگر اس جگہ "بِمُؤْمِنِيْنَ" پر وقف نہ کیا جائے اور اس کو "يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ" کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو یہ معنی ہوگا: وہ منافق ایسے مومن نہیں ہے جو اللہ کو دھوکہ دیں، حالاں کہ مراد یہ ہے کہ وہ مطلقاً مومن نہیں ہیں۔

وقف مطلق:

اسے کہتے ہیں ج سے ملائے بغیر ابتدا پڑھنا مستحسن ہے جیسے:

وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ (۳)

ترجمہ: اور ضرور ان کے اگلے خوف کو امن سے بدل دے گا میری عبادت کریں میرا شریک کسی کو نہ ٹھہرائیں۔

پہلے جملے میں اللہ تعالیٰ کے فعل کا بیان ہے اور دوسرے جملے میں بندوں کے فعل کا بیان، اس لیے ان دونوں جملوں کو ملائے بغیر الگ الگ پڑھنا مستحسن ہے۔

وقف جائز:

وہ ہے جس میں ایک جملے کو دوسرے جملے سے ملا کر پڑھنا اور پہلے جملے پر وقف کر کے دوسرے کو ابتدا پڑھنا دونوں جائز ہو جیسے:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ (۴)

ترجمہ: اور بیشک عورت نے اس کا ارادہ کیا

اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا۔

اگر ''ھم بھا'' پر وقف کیا جائے تو معنی اس طرح ہوگا: عزیز مصر کی عورت نے یوسف کے ساتھ برے فعل کا قصد کیا اور حضرت یوسف نے اس عورت سے اجتناب کا قصد کیا، اگر یوسف نے زنا کی برائی پر اپنے رب کی برھان کا مشاہدہ نہ کیا تو وہ اس برائی میں مبتلا ہو جاتے اور اگر ''ھم بھا'' کے بعد والے جملے سے ملا کر پڑھیں جائے تو معنی اس طرح ہوگا:

عزیز مصر کی عورت نے حضرت یوسف کے ساتھ برے فعل کا قصدا کیا، اگر حضرت یوسف نے اس فعل کی برائی پر اللہ کی برہان کا مشاہدہ نہ کیا ہوتا تو وہ بھی اس عورت کے ساتھ برے فعل کا قصد کر لیتے۔

المرخص بوجہ:

جس میں ایک وجہ سے وقف کرنا اور دوسری وجہ سے ملا کر پڑھنا جائز ہو جیسے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ (۵)

ترجمہ: یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی مول لی تو نہ ان پر سے عذاب ہلکا۔

''فلا یخفف عنھم العذاب'' پہلے جملے کے لیے بہ منزل سبب اور جزاء ہے اور اس کا تقاضا ملا کر پڑھنا اور لفظ ''فاء'' ابتداء کو چاہتا ہے، اس لیے پہلے جملے پر وقف کر کے ''فلا یخفف'' سے ابتداء پڑھنا بھی جائز ہے۔

المرخص ضرورہ:

جو لفظ یا جو جملہ پہلے لفظ یا جملے سے مستغنی نہ ہو اور اس میں اصل ملا کر پڑھنا، لیکن مسلسل پڑھنے کی وجہ سے انسان کا سانس ٹوٹ جائے اور وہ ملا کر پڑھنے کی بجائے ٹھہر جائے تو اس کی اجازت ہے جیسے:

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (۶)

ترجمہ: جس نے تمہارے لیے زمین کو

بچھونا اور آسمان کو عمارت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا۔

''انزل من السماء'' میں ''انزل'' کی ضمیر ''الذی'' کی طرف لوٹ رہی ہے، اس لیے یہ جملہ سے مستغنی نہیں ہے اور ان کو ملا کر پڑھنا چاہیے، لیکن اگر طول کلام کی وجہ سے پڑھنے والے کا سانس ٹوٹ جائے اور وہ ''السماء بناء'' پر وقف کرے تو اس کی اجازت ہے، کیوں ''السماء بناء'' کو الگ پڑھنے سے بھی اس کا معنی سمجھ میں آ جاتا ہے۔

جس جگہ ملا کر پڑھنا ضروری ہے اور وقف جائز نہیں، یہ کلام جو شرط اور جزاء پر مشتمل ہو، شرط اور جزاء کو ملا کر پڑھنا ضروری ہے اور شرط پر وقف کرنا جائز نہیں یا کلام مبتداء اور خبر پر مشتمل ہو تو مبتداء پر وقف کرنا صحیح نہیں، اسی طرح موصوف اور صفت کو ملا کر پڑھنا چاہیے اور موصوف پر وقف نہ کیا جائے، جیسے:

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۶ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ (۷)

ترجمہ: اور اس سے انہیں گمراہ کرتا ہے جو بے حکم ہیں o وہ جو اللہ کے عہد کو توڑ دیتے ہیں پکا ہونے کے بعد۔

اس آیت میں ''الذین ینقضون الفسقین'' کی صفت ہے اس لیے ان کو ملا کر پڑھا جائے۔ (۸)

رموز اوقاف کی ضرورت، اہمیت اور اقسام کے مطالعہ کے بعد کنزالایمان کا مطالعہ رموز اوقاف کے تناظر میں کرتے ہیں:

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۝۲۶ (۹)

ترجمہ: فرمایا تو وہ زمین ان پر حرام ہے چالس برس تک بھٹکتے پھریں زمین میں تو تم اُن بے حکموں کا افسوس نہ کھاؤ۔

اگر قرآن پڑھنے والا ''انہا محرمۃ علیہم اربعین سنۃ'' پر وقف کرے گا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان پر (بنی اسرائیل

پر) حرام کیے جانے کی مدت چالیس تھی اگر علیہم پر وقف کردے گا تو اس کے معنی ہو جائیں گے کہ تحریم کی مدت ابدی اور دائمی تھی حالاں کہ ''سنۃ'' (صحرا میں سرگردانی) کا زمانہ چالیس سال ہی تھا۔ (۱۰)

اس پس منظر میں مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے کا مطالعہ کرتے ہیں:

''فرمایا تو وہ زمین ان پر حرام ہے چالیس برس تک'' آپ نے علیہم کی بجائے ترجمے میں سنۃ پر ہی وقف کیا ہے۔

(۲) وقف مطلق:

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ (۱۱)

ترجمہ: اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے منکر ہوا۔

پہلی آیت کے اختتام پر ''وقف مطلق'' ہے جسے ''ط'' کی علامت سے ظاہر کیا گیا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ یہاں بات پوری ہو گئی ہے، اس یہاں وقف کرنا بہتر۔ ترجمہ کرتے وقت اس اصول کو یاد رکھنا چاہیے یعنی پہلی آیت پر وقف کرنا چاہیے اور دوسری آیت سے وصل نہیں۔ اس تناظر میں اس آیت کا ترجمہ مطالعہ کرتے ہیں۔

''جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو، چنانچہ سب نے سجدہ کیا، سوائے ابلیس کے کہ اس نے انکار کیا، اور متکبرانہ رویہ اختیار کیا۔''

آیت میں ''ابلیس'' کے اختتام پر علامت وقف ہے اس لیے یہاں وقف کرنا بہتر تھا مگر ایسا نہیں کیا گیا بلکہ دوسری آیت کے ترجمے کی ابتدا کو ''کہ'' سے وصل کر دیا گیا جو ''وقف مطلق'' سے انحراف محسوس ہوتا ہے۔

اس کے بعد ''وقف مطلق'' کے قاعدے کی روشنی میں مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے کا مطالعہ کرتے ہیں:

''اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو سوا ابلیس کے منکر ہوا اور غرور کیا۔''

آپ نے پہلی آیت کے ترجمے کے اختتام پر ''ابلیس کے'' پر وقف کیا اور دوسری آیت کے ترجمے کو اسم موصولہ کے ذریعے متصل نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ مولانا احمد رضا خان نے مذکورہ آیت کے ترجمے میں ''وقف مطلق'' کی مکمل پاس داری کی ہے۔

(۳) وقف جائز:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۲ (سورۃ البقرہ:۲)

وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو۔

وقف جائزہ کے مطابق اگر آیت کے آخر ''فیہ'' پر وقف کیا جائے اور دوسری آیت سے وصل نہیں کیا جائے جب بھی درست ہوگا۔

اگر پہلی آیت کے ''فیہ'' پر وقف نہیں کیا جائے اور دوسری آیت سے وصل کیا جائے تو بھی ''وقف جائز'' کے مطابق درست ہوگا۔

اس تناظر میں مولانا احمد رضا خاں کے ترجمے کا مطالعہ کرتے ہیں:

آپ نے ''فیہ'' کا ترجمہ ''اس میں'' کیا ہے اور اپنے ترجمے میں اسے اس خوب صورتی سے جڑا ہے کہ رموز اوقاف کا ماہر عش عش کر اٹھتا ہے ملاحظہ ہو:

وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے متقین کے لیے۔

اگر ترجمے میں ''اس میں'' پر وقف کیا جائے تو ترجمہ اس طرح ہوگا:

وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے متقین کے لیے۔

اگر ''اس میں'' پر وقف نہیں کیا جائے اور آیات میں وصل کیا جائے تو ترجمہ یوں ہوگا۔

وہ بلند رتبہ کتاب (قرآن) کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے متقین کے لیے۔

اس ترجمے میں نہ صرف ''وقف جائز'' کے دونوں تقاضے پورے ہوتے دکھائی دیتے ہیں، بلکہ ترجمہ بھی دونوں لحاظ سے بہ معنی اور سلاست کا مظہر ہے۔

(۴) وقف جائز کی ایک اور مثال:

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝۱ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝۲

الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ﴿۳﴾ (۱۲)

''یہ لوگ آپس میں کس بات سے سوال کرتے ہیں۔ بڑی خبر سے سوال کرتے ہیں، جن میں یہ لوگ مختلف رائے ہیں۔''

''وہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں۔ کیا وہ اس بڑی اور اہم خبر کے بارے میں پوچھ رہے جس میں وہ اختلاف کرتے رہتے ہیں۔''

''یہ لوگ کس چیز کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں؟ کیا اس بڑی خبر کے بارے میں جس کے متعلق یہ مختلف چہ میگوئیاں کرنے میں لگے ہوئے ہیں؟''

''کیا بات پوچھتے ہیں لوگ آپس میں؟ پوچھتے ہیں اس بڑی خبر سے جس میں وہ مختلف ہیں۔''

''یہ لوگ کس چیز کے بارے میں چہ میگوئیاں کر رہے ہیں؟ اس بڑی خبر کے بارے میں، جس میں کوئی کچھ کہہ رہا ہے، کوئی کچھ۔''

''یہ لوگ کس چیز کی بابت دریافت کر رہے ہیں؟ اس بڑے واقعہ کی بابت، جس کے بارے یہ لوگ جھگڑتے رہے ہیں۔''

''یہ (کافر) لوگ کس چیز کے بارے سوالات کر رہے ہیں؟ اس زبردست واقعے کے بارے میں جس میں خود ان کی باتیں ہیں۔''

اگر مذکورہ تراجم کا مطالعہ ''وقف جائز'' کے تناظر میں کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مترجمین پہلی آیت کے اختتام پر وقف کیا ہے جیسے:

☆ یہ لوگ کس چیز کی بابت دریافت کر رہے ہیں؟

☆ یہ لوگ کس چیز کے بارے میں چہ میگوئیاں کر رہے ہیں؟

☆ کیا بات پوچھتے ہیں لوگ آپس میں؟

☆ یہ لوگ کس چیز کے بارے میں پوچھ گچھ کر رہے ہیں؟

☆ وہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں۔

☆ یہ لوگ آپس میں کس بات سے سوال کرتے ہیں۔

اس آیت کے اختتام پر ''ج'' کی علامت ہے جس سے ظاہر ہو رہا کہ یہاں وقف کرنا جائز ہے اور وقف نہ بھی کیا جائے تو بھی جائز ہے اس لیے ان تراجم میں ''وقف جائز'' کے تحت آیت کے اختتام پر وقف کیا گیا ہے اور دوسری آیت سے وصل نہیں کیا گیا۔

یہ تراجم آیت ثانی (عن النبا العظیم) سے سادہ اسلوب خبریہ کے تحت ہیں جیسے:

☆ بڑی خبر سے سوال کرتے ہیں

☆ پوچھتے ہیں اس بڑی سے

☆ اس بڑے واقعہ کی بابت

☆ اس بڑی خبر کے بارے میں

جب کہ یہ تراجم استفہامیہ اسلوب کے تحت کیے گئے ہیں:

☆ کیا وہ اس بڑی اور اہم خبر کے بارے میں پوچھ رہے ہیں

☆ کیا اس بڑی خبر کے بارے میں

مولانا امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں:

''نبا'' کسی بڑے واقعہ یا اہم خبر کو کہتے ہیں اس آیت میں اگرچہ حرف استفہام لفظاً مذکور نہیں، لیکن معناً یہ اسی استفہام کے تحت ہے جو پہلے آیا ہے۔[۱۳]

مولانا امین اصلاحی کے مطابق آیت ثانی کا ایسا استفہامیہ ترجمہ ہو جو پہلی آیت کے استفہامیہ اسلوب کے تحت ہو۔ دوسرے الفاظ میں آیت ثانی میں لفظ استفہامیہ کا اضافہ کیے بغیر معناً ترجمہ استفہامیہ کیا جائے تو وہی ترجمہ اس آیت کی حکمت کے عین مطابق ہوگا۔ اس پس منظر میں دیگر مترجمین اس اسلوب کے حسن کو اپنے تراجم میں سمونے سے قاصر دکھائی دیتے ہیں بعض نے استفہامیہ لفظ کے اضافے سے اس اسلوب کو اپنانے کی کوشش ضرور کی ہے جب کہ آیت ثانی میں ایسا ترجمہ درکار ہے جس میں حرف استفہام استعمال نہیں ہو مگر پہلی آیت کے حرف استفہام کے تحت معناً استفہامیہ ہو۔

اس پس منظر کو مدنظر رکھ کر مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے کا مطالعہ کرتے ہیں:

''یہ آپس میں کاہے کی پوچھ گچھ کر رہے

ہیں بڑی خبر کی۔''

یہ ترجمہ دیگر تراجم سے اس طرح منفرد ہے کہ دیگر تراجم میں ''وقف جائز'' کے تحت پہلی آیت کے اختتام پر وقف کیا گیا ہے اور دوسری آیت سے وصل نہیں کیا گیا یہ بھی درست ہے مگر مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے ''وقف جائز'' کے تحت پہلی آیت پر وقف نہیں کیا بلکہ دوسری آیت سے وصل کر کے ترجمہ کیا ہے جو ''وقف جائز'' کے تحت بھی درست ہے دیگر تراجم کے مقابلے میں اس میں ''وقف جائز'' کی پاس داری کے ساتھ ساتھ ایک ندرت پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ آیت ثانی میں اگرچہ حرف استفہام لفاظ مذکور نہیں لیکن یہ اسی استفہام کے تحت ہے جو پہلی آیت کے شروع میں آیا ہے جس میں قرآنی حکمت کی بھرپور عکاسی ہو رہی ہے جو''وقف'' کی بجائے''وصل'' کی مرہون منت ہے۔

پس معلوم ہوا کہ

(الف) ترجمہ ''وقف جائز'' کے تحت کیا گیا ہے۔

(ب) پہلی آیت پر وقف کرنے کی بجائے آیت ثانی سے وصل مان کر ترجمہ کیا گیا ہے۔

(ج) آیت ثانی کا ترجمہ معناً استفہامیہ اسلوب کے تحت کیا گیا ہے۔

(د) آیت ثانی میں حرف استفہام کے اضافے کے بغیر ترجمے کو استفہامیہ اسلوب میں ڈھالا گیا ہے۔

(۵) وقفِ تام:

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُۥٓ إِلَّا ٱللَّهُ ۗ وَٱلرَّٰسِخُونَ فِى ٱلْعِلْمِ يَقُولُونَ ءَامَنَّا بِهِۦ كُلٌّ مِّنْ عِندِ رَبِّنَا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّآ أُو۟لُوا۟ ٱلْأَلْبَٰبِ ﴿٧﴾ (۱۴)

☆ ''حالاں کہ خدا اور ان لوگوں کے سوا جو علم میں مضبوط و پختہ کار ہیں اور کوئی ان کی تاویل (اصل معنی) کو نہیں جانتا۔ جو کہتے ہیں کہ ہم اس (کتاب) پر ایمان لائے ہیں یہ سب (آیتیں) ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں۔''

☆ ''حالاں کہ اس کی تاویل کا حکم صرف خدا کو ہے اور انہیں جو علم میں رسوخ رکھنے والے ہیں۔ جن کا کہنا یہ ہے کہ ہم اس کتاب پر ایمان رکھتے

ہیں اور یہ سب کی سب محکم و متشابہ ہمارے پروردگار ہی کی طرف سے ہے۔''

جب کہ مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں:

''اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے۔''

اس میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ آیت میں وقف کہاں کیا جائے؟

ایک مؤقف یہ ہے کہ ''وما یعلم تاویله الا اللہ'' میں اسم جلالت پر وقف کیا جائے اس کے بعد واؤ عاطفہ نہیں، بلکہ اسینافیہ ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا ان کی تاویل اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو علم میں پختہ ہیں وہ کہیں گے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور تمام ہمارے رب کی طرف سے ہے الغرض وہ اس کے معنی سے آگاہ نہیں ہوں گے۔

دوسرا مؤقف یہ ہے کہ یہ وقف اسم جلالت پر نہیں بلکہ واؤ عاطفہ ہے اور ''راسخون'' کا عطف اسم جلالت پر ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا ان کی تاویل اللہ تعالیٰ اور علم میں پختہ لوگ ہی جانتے ہیں۔

علمائے احناف کا مؤقف ہے کہ ''وما یعلم تاویله الا اللہ'' پر وقف ہے، (یعنی متشابہات کی تاویل وتفسیر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا)۔(۱۵)

امام فخر الدین رازی ''وما یعلم تاویله الا اللہ'' کے تحت لکھتے ہیں:

واختلف الناس فی هذا لموضع فمنهم من قال تم الکلام ههنا تم الواؤ فی قوله (راسخون فی العلم) واؤ الابتداء و علی هذا القوم لایعلم المتشابه الا الله وهذا قول ابن عباس و عائشة و مالك بن انس الکسائی و الفراء، ومن المعتزلة قول ابی علی جبائی وهوا مختار عندنا و القول الثانی ان الکلام انما یتم عند قوله (الرسخون فی العلم) وعلی هذا القول یکون العلم

بالمتشابہ حاصلًا عند اللہ تعالیٰ وعند الراسخین فی العلم۔[۱۶]

اس مقام پر لوگوں کو اختلاف ہے کچھ نے کہا یہاں کلام مکمل ہے اور واؤ (راسخون فی العلم) میں ابتدائی ہے، اس صورت میں معنی ہوگا متشابہ کو صرف اللہ ہی جانتا ہے یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، مالک بن انس، کسائی، فراء اور معتزلہ میں سے ابوعلی جبائی کا قول ہے اور ہمارا بھی یہی مختار ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ کلام (راسخون فی العلم) پر تمام ہوتا ہے۔ اس قول کے مطابق متشابہ کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ علم میں رسوخ رکھنے والوں کو بھی ہوگا۔

۲۔ قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں یہاں اہل علم کا اختلاف ہے، کچھ لوگوں کی یہ رائے ہے:

الواؤ للعطف والمعنی ان تأویل المتشابہ یعلمہ اللہ ویعلمہ الراسخون فی العلم......وھذا قول مجاھد الربیع و روی عن ابن عباس رضی اللہ عنہما انہ کان یقول فی ھذہ الایۃ انا من راسخین فی العلم وعن مجاھد انا ممن یعلم تاویلہ وذھب الاکثرون الی ان الواؤ للاستیناف وتم الکلام عند قولہ وما یعلم تاویلہ الا اللہ۔[۱۷]

اگر واؤ عاطفہ ہو تو معنی ہوگا، متشابہ کا مفہوم اللہ جانتا ہے اور رسوخ فی العلم والے بھی اسے جانتے ہیں...... یہ قول مجاہد اور ربیع کا ہے اور حضرت ابن عباس سے اس آیت کے تحت منقول ہے ''میں رسوخ علمی رکھنے والوں میں ہوں'' حضرت مجاہد سے ہے میں تاویل متشابہ کا علم رکھنے والوں میں سے ہوں اکثریت کی رائے یہ ہے کہ واؤ استینافیہ ہے اور جملہ ''وما تاویلہ الا اللہ'' پر مکمل ہو جاتا ہے۔

امام عبداللہ بن احمد نسفی رحمۃ اللہ علیہ (۷۱۰ھ) رقمطراز ہیں:

الوقف وعند الجمھور علی قولہ الا اللہ و فسروا المتشابہ بما استاثر اللہ بعلمہ......ومنھم من لایقف علیہ

و یقول بان الراسخین فی العلم یعلمون المتشابہ۔(۱۸)

جمہور کے نزدیک ''لا اللہ'' پر وقف ہے اور ان کے ہاں متشابہ کا معنی ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے......بعض اس پر وقف نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ رسوخ علمی والے بھی متشابہ کا علم رکھتے ہیں۔

امام ابوعبداللہ محمد قرطبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فالذی علیہ الاکثرانہ مقطوع مما قبلہ و ان الکلام تم عندقولہ الا اللہ ھذا قول ابن عمر، ابن عباس، عائشۃ، عروہ بن زبیر، عمر بن عبدالعزیز وغیرھم۔(۱۹)

اکثریت کی رائے یہی ہے کہ ''راسخون فی العلم'' کا تعلق ماقبل سے نہیں جملہ ''الا اللہ''،مکمل ہوجاتا ہے یہ حضرت ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ، ابن عباس رحمۃ اللہ علیہ، عائشہ رضی اللہ عنہا، عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ، عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہما اور دیگر اہل علم کا مؤقف ہے۔

علامہ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اس آیت کی نسبت دو خیال ہیں ایک یہ ہے کہ ''والراسخون فی العلم'' معطوف ہے اور ''یقولون'' اس کا حال واقع ہوا ہے اور دوسرا خیال یہ ہے کہ ''والراسخون فی العلم'' مبتدا ہے اور ''یقولون'' اس کی خبر اور ''والراسخون'' میں جو واؤ ہے وہ استینافیہ ہے واؤ عاطفہ نہیں۔ پہلا قول معدودے چند علماء کا ہے جن میں سے ایک مجاہد بھی ہیں اور یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ صحابہ تابعین اور ان کے بعد والے تبع تابعین اور دیگر علماء مفسرین خصوصاً اہل سنت میں سے بہ کثرت علماء دوسرے قول کی طرف گئے ہیں اور یہ دوسرا قول ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول روایتوں میں سب سے زیادہ صحیح ہے۔ قولہ تعالیٰ ''الا اللہ'' پر وقف تام ہے اور اسی سے یہ بات بھی مفہوم ہوتی ہے کہ بعض متشابہ کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔(۲۰)

مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:
معالم التنزیل میں ہے۔ذھب الاکثرون الی ان الواو فی قوله والراسخون واو الاستیناف وتم الکام عند قوله و ما یعلم تاویله الا لله و هو قول ابی بن کعب و عائشة و عروة بن الزبیر رضی الله تعالیٰ عنهم و روایة طاؤس عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما وبه قال الحسن و اکثر التابعین و اختاره الکسائی و الفراء والاخفش الی ان قال ولما یصدق ذلك قرأة عبدالله ان تاویله الا عندالله والرسخون فی العلم یقولون امنا وفی حرف ابی بقول الراسخون فی العلم بتاویل القرآن الی ان قالو امنابه کل من عند ربنا وھذا القول اقیس فی العربیة واشبه بظاهر الآیة۔

یعنی جمہور ائمہ دین وصحابہ وتابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا مذہب یہ ہے کہ: والراسخون فی العلم سے جدابات شروع ہوئی۔ پہلا کلام وہیں پورا ہوگیا کہ متشابہات کے معنی اللہ عزوجل کے سوا کوئی نہیں جانتا، یہی قول حضرت سید قاریان صحابہ ابی بن کعب اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ہے، اور یہی امام طاؤس نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا اور یہی مذہب امام حسن بصری و اکثر تابعین کا ہے اور اسی کو امام کسائی وفراء واخفش نے اختیار کیا اور اس مطلب کی تصدیق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس قرأت سے بھی ہوتی ہے کہ آیات متشابہات کی تفسیر اللہ عزوجل کے سوا کسی کے پاس نہیں اور آپ کے علم والے کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان کی تفسیر میں محکم علم والوں کا منتہائے علم بس اس قدر ہے کہ کہیں ہم ان پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور یہ قول عربیت کی رو سے زیادہ دلنشیں اور بظاہر آیت سے بہت مواقف ہے۔[۲۱]

پس معلوم ہوا کہ مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور کے قول پر عمل کرتے ہوئے ''الا اللہ'' پر وقف مانا ہے۔

الغرض ان حقائق کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ ایک مترجم کے لیے رموز اوقاف کا جاننا نہایت ضروری ہے اگر وہ یہ علم نہیں جانتا تو ایسا ترجمہ کر بیٹھے گا جو منشاء الٰہی کے خلاف ہوگا۔ جب کہ مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کو علم رموز اوقاف پر مکمل عبور حاصل تھا اس لیے انہوں نے کنزالایمان میں اس علم کو برموقعہ اور برمحل برتا۔

مصادر ومراجع

(۱) الاتقان فی العلوم القرآن (ت)، از علامہ جلال الدین سیوطی، ص ۳۲۳ - ۲۳۳، جلد اول، مطبوعہ مشتاق بک کارنر، لاہور۔

(۲) البقرۃ:۸-۹

(۳) النور:۵۵

(۴) سورۃ یوسف:۲۴

(۵) البقرۃ:۸۶

(۶) البقرۃ:۲۲

(۷) البقرۃ:۲۶-۲۷

(۸) اصطلاحات تفسیر، از علامہ نصیر الدین، مشمولہ زبدۃ الاتقان فی العلوم القرآن (ت)، ص ۹۲، مطبوعہ فرید بک سٹال، لاہور۔

(۹) المائدۃ:۲۶

(۱۰) الاتقان فی علوم القرآن (ت)، از علامہ جلال الدین سیوطی، ص ۲۴۱، جلد اول، مطبوعہ مشتاق بک کارنر، لاہور۔

(۱۱) البقرۃ:۳۴

(۱۲) النساء:۱-۳

(۱۳) قرآن مجید کے آٹھ منتخب اُردو تراجم کا تقابلی مطالعہ، از پروفیسر ڈاکٹر محمد شکیل اوج، ص ۷۵، بہ حوالہ تدبر قرآن۔

(۱۴) آل عمران:۷

(۱۵) علم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور متشابہات، از مفتی محمد خان قادری، ص ۲۱، مطبوعہ قادری رضوی کتب خانہ لاہور

(۱۶) علم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور متشابہات، از مفتی محمد خان قادری، ص ۳۹، بہ حوالہ مفاتیح الغیب

(۱۷) علم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور متشابہات، از مفتی محمد خان قادری، ص ۴۰، بہ حوالہ تفسیر مظہری۔

(۱۸) علم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور متشابہات، از مفتی محمد خان قادری، ص ۴۱، بحوالہ تفسیر المدارک التنزیل۔

(۱۹) علم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور متشابہات، از مفتی خان محمد قادری، ص ۴۵، بحوالہ الجامع الاحکام القرآن۔

(۲۰) الاتقان فی العلوم القرآن (ت)، از علامہ جلال الدین سیوطی، ص ۳۳، ۳۶، مطبوعہ مشتاق بک کارنر، لاہور۔

(۲۱) جامع الاحادیث، جلد نمبر ۸، ص ۳۱۶، از مولانا محمد حنیف خاں رضوی، شبیر برادرز، لاہور۔

☆☆☆☆☆

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے ہم عصر تین نعت گو شعراء

خلیل احمد رانا

حضرت اطہر ہاپوڑی رحمۃ اللہ علیہ

دبلے پتلے، جسم میں امام فن، اُردو کا جیتا جاگتا، چلتا پھرتا انسائیکلوپیڈیا، شاعر ہی نہیں بلکہ شاعرگر، شاعری کے قدیم اسکول کے آخری اور تنہا مسلم الثبوت استاد، ناظم الملک مولانا سید معشوق حسین اطہر ولد سید امراؤ علی، ۱۰ شعبان ۱۲۹۰ھ/ ۳ا کتوبر ۱۸۷۳ء کو بمقام ہاپوڑ ضلع میرٹھ (یوپی، ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جد امجد سید ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ عابد شب زندہ دار اور زاہد و پرہیز گار بزرگ تھے۔ انہیں کی نسبت سے آپ کا خاندان ثنائی مشہور رہے۔

آپ مذہباً سنی حنفی اور مسلکاً نقشبندی مجددی تھے۔ بارہ سال کی عمر میں والد ماجد وفات پا گئے تو بڑے بھائی سید اشفاق حسین نے پدرانہ شفقت کے ساتھ آپ کی تعلیم و تربیت اپنے ذمہ لے لی۔ آپ نے ابتدائی تعلیم وطن ہی میں پائی، ۱۸۸۷ء میں جب آپ قائم گنج ضلع فرخ آباد میں مولوی قمرالدین قمر ساکن سوروں ضلع ایٹہ (یوپی، ہندوستان) کے زیر تعلیم تھے تو شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ آپ نے اپنی شاعری کو اپنے عمیق مطالعہ اور کثرت مشق کی بدولت عروج کمال تک پہنچایا۔

زمانہ قیام لاہور میں عشرت اصفہانی کا تلمذ اختیار کیا۔ عشرت اصفہانی بڑے فاضل اور حاضر طبع شاعر تھے۔ ایک سال تک استفادہ فرمایا۔ اُردو میں کسی سے اصلاح نہیں لی۔ ۱۸۹۱ء، ۱۸۹۰ء میں مین پوری شہر میں رہنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں حضرت محسن

کاکوروی، منشی طاہر علی طاہر فرخ آبادی اور منشی حیات بخش رسا تلمیذ حضرت داغ دہلوی کے ہم صحبت رہے، ۱۸۹۵ء سے ۱۸۹۹ء تک علی گڑھ میں قیام رہا۔ ۱۸۹۹ء میں رام پور جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں ملک الشعراء حضرت امیر مینائی کی خدمت میں شرف نیاز حاصل کیا۔ ۱۹۰۲ء میں دربار دہلی کے موقع پر فصیح الملک حضرت داغ دہلوی سے آغا شاعر دہلوی کی معیت میں ایک مرتبہ ملاقات کی اور اپنی غزل سنائی، جس کا مطلع ہے:

شب فراق یہ عالم تھا میرے نالوں کا
کلیجہ ہاتھوں اچھلتا تھا سننے والوں کا

مرزا داغ دہلوی نے داد دی کہ بہت بے تکلف مطلع کہا، اسی زمین میں حضرت داغ کا مطلع یہ ہے:

گیا ہے عرش معلیٰ پہ شور نالوں کا
خدا بھلا کرے آزار دینے والوں کا

ایک مرتبہ حضرت اطہر ہاپوڑی نے ایک نعت لکھ کر امام احمد رضا بریلوی کی خدمت میں بھیجی۔ جس کا مطلع تھا:

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمہ لیلیٰ کے سامنے

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے قلم برداشتہ اصلاح فرائی:

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
قدسی کھڑے ہیں عرش معلیٰ کے سامنے

۱۹۰۲ء سے ۱۹۰۶ء تک رام پور میں وکالت کی، یہاں حضرت جلال لکھنوی اور منشی امیر اللہ تسلیم سے صحبت رہی۔ ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۰ء تک گوالیار میں بحیثیت وکیل رہے اور مضطر خیر آبادی کے ہم سخن بنے۔ اگست ۱۹۱۰ء میں جے پور آئے اور وکالت شروع کی، ۱۹۲۵ء میں منصف ہوئے اور ۱۹۳۰ء تک اس عہدہ پر فائز رہے، یہاں سے سبکدوش ہوکر ریاست ٹونک چلے گئے اور سخن دیتے رہے۔ ۱۹۴۷ء میں آپ جے پور کی سکونت ترک کرکے کراچی (پاکستان) آگئے۔

تصنیفات

۱۔ اُردو کے تین دیوان۔

۲۔ مجموعہ قائد اُردو۔

۳۔ مجموعہ قصائد وغزلیات فارسی۔
۴۔ رسالہ تحقیقات الفاظ۔
۵۔ قطعات تاریخ، مراثی وسلام۔
۶۔ رسالہ اصلاح عروض (زیر تصنیف)۔
۷۔ مکتوبات شعری۔
۸۔ رسالہ جدید عروض وقوافی۔
۹۔ اظہار اللغات۔

اس لغت کے دو حصے ہیں، ایک حصے میں فارسی الفاظ ہیں، جن کو ہندوستانی فارسی نہیں سمجھتے اور تشبہ کرتے ہیں، دوسرے حصے میں وہ الفاظ ہیں جن کو ہندوستانی فارسی سمجھتے ہیں اور حقیقت میں وہ فارسی نہیں ہیں، ہر لفظ کی سند فرہنگ ناصری سے دی گئی ہے اور دوسرے حصے میں محاکمہ ہے جو ''برہان قاطع'' اور مرزا غالب کی ''قاطع برہان'' کے متعلق ہے۔ اس میں دکھایا گیا ہے کہ مرزا غالب کی رائے برہان قاطع کی نسبت اکثر غلط ہے اور اس کی تائید فرہنگ ناصری سے نہیں ہوتی، فرہنگ ناصری کا مؤلف ایرانی ہے اس کی رائے برہان قاطع اور قاطع برہان سے زیادہ مستند ہوسکتی ہے۔

آپ کو نثر نگاری کا شوق بھی رہا، رسالہ ''ہمایوں'' لاہور بابت ۱۹۲۲ء کے ذریعہ آپ نے ان اعتراضات کا جواب دیا جو مولانا شبلی نے شعر العجم میں حضرت امیر خسرو پر کیے ہیں۔

آپ کے ہاں اولاد نرینہ نہیں تھی، دو صاحبزادیاں تھیں، بڑی صاحبزادی سید شفیق حسین ڈپٹی ڈائریکٹر پوسٹ اینڈ ٹیلی گراف کراچی سے منسوب ہوئیں، چھوٹی صاحبزادی کی شادی سید اظہار الحسن (جے پور) سے ہوئی، چھوٹی صاحبزادی سے آپ کو بہت محبت تھی، ان کا انتقال جے پور میں ہوا۔ اس وقت سے آپ اکثر افسردہ ومغموم رہتے تھے۔

حضرت اطہر ہاپوڑی نے ۲۵ فروری ۱۹۵۷ء کو کراچی میں وفات پائی۔

حضرت محسن کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد محسن ابن مولانا حسن بخش کاکوروی ۱۲۴۲ھ/ ۱۸۲۳ء میں بمقام کاکوری ضلع لکھنؤ (یوپی، بھارت) میں پیدا ہوئے۔

سات برس کی عمر سے اپنے جد بزرگوار مولانا حسین بخش شہید رحمۃ اللہ علیہ (شہادت ۱۲۵۸ھ) کے سایہ عاطفت میں پرورش پائی۔

بچپن ہی سے نماز تہجد، تلاوت قرآن مجید اور کثرت سے درود شریف پڑھنے کی عادت محمود نے زندگی بھر ساتھ دیا۔ نو سال کی عمر تھی کہ ایک شب اپنے جد امجد کے پہلو میں سوتے تھے۔ خواب میں زیارت جمال مبارک حضرت محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشرف ہوئے، جد امجد مولانا حسین بخش شہید کے جام شہادت نوش فرمانے کے بعد اپنے والد ماجد مولانا حسن بخش رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۰۱ھ) کے ہمراہ ضلع مین پوری چلے گئے، مین پوری ہی میں مولانا عبدالرحیم اور اپنے والد ماجد سے تحصیل علم کیا۔ شاعری میں مولانا ہادی علی اشک مرحوم اور حضرت امیر مینائی سے اصلاح لی۔ مولانا ہادی علی اشک مرحوم، حضرت محسن کے خالہ زاد ماموں تھے۔ نہایت پرہیزگار عالم باعمل تھے، کسب حلال کے شوق میں تصحیح کتب دینیات کا سلسلہ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ میں اختیار کیا ہوا تھا۔

حضرت محسن کاکوروی کی بیعت طریقت اپنے دادا مولانا حسین بخش رحمۃ اللہ علیہ سے تھی۔ مین پوری شہر ہی میں وکالت کرتے تھے، بہت خوش اخلاق تھے، ہر شخص سے خندہ پیشانی سے ملتے، سارا شہر آپ کے اخلاق کا گرویدہ تھا۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''فصوص الحکم'' اکثر مطالعے میں رہتی تھی۔ امام محمد بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب ''حصن حصین'' کا روزانہ ختم پڑھتے تھے۔ دادا کی شہادت کے بعد حضرت شاہ کرامت علی قلندر کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۶۴ھ) سے تجدید بیعت کی۔

مولانا عبدالحق کانپوری رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۱۲ھ، مدفون حیدرآباد دکن) اپنے ایک مکتوب میں حضرت محسن کاکوروی کو لکھتے ہیں:

''آپ کو میں ایک خوش خبری سناتا ہوں کہ جب مدینہ طیبہ میں در اقدس پر حاضر تھا، اس زمانے میں میرے دوست مولوی محمد مظفر الدین صاحب حیدرآبادی نے اپنا ایک

خواب بیان کیا۔جس کو میں آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں، ایک شب مجلس بابرکت حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں باریابی ہوئی، شہیدی اپنا قصہ سنا رہے ہیں، اس پر جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ محسن کا کہا ہوا سراپا سناؤ، وہ بہت اچھا ہے اور ہمارے یہاں مقبول ہے۔"

حضرت محسن مرحوم کو تاریخ گوئی میں خاص ملکہ تھا۔ایک مرتبہ مسجد مدار دروازہ مین پوری شہر میں ایک شب میں قرآن شریف ختم ہوا، بعد ختم کے مولوی نصراللہ خاں منصف نے تاریخ عربی کی فرمائش کی اس وقت تھوڑی دیر کے بعد فرمایا "ختم المصحف" (۱۲۸۹ھ) تاریخ ہے۔

حضرت محسن نے کاکوروی ضلع لکھنؤ میں اپنا مکان تعمیر کرایا، مولوی افضل علی مرحوم نے کہا اس عمارت کی تاریخ ہونی چاہیے، تھوڑا تامل کرکے فرمایا: "غریب خانہ" (۱۸۸۶ء) اس کی تاریخ ہے۔

مولانا حسن رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۲۶ھ) نے ذکر میلاد شریف کے موضوع پر "نگارستان لطافت" لکھی تو آپ نے درج ذیل تاریخ لکھی:

حسن کز حسن طرزش طبع استاد
بعنوان تخلص یوسفے گفت
زمین شعرا رو را عرش اعلیٰ
سریر آرائے چرخ چارمی گفت
کلام پاک او را حضرت خضر
مصفا تر زآب زندگی گفت
بہ فیض فکر جانے در سخن ریخت
سخن در ذکر میلاد نبی گفت
نبی ہاشمی کا ندر صفاتش
خدائے پاک، سبحان الذی گفت
برائے یادگار سال "محسن"
بہارستان نعمت احمدی گفت
۱۳۰۲ھ

حضرت امیر احمد امیر مینائی مرحوم کے نعتیہ دیوان کی تاریخ لکھی۔آخری شعر یہ ہے:

سروش غیب نے تاریخ کیا اچھی کہی محسن
کہ یاد مصطفیٰ سچا وسیلہ ہے شفاعت کا
۱۳۰۶ھ

حضرت شاہ تراب علی قلندر قدس سرہٗ (المتوفی ۱۲۷۵ھ) سجادہ نشین تکیہ شریف کاکوروی کے مرقد اقدس کی تاریخ فارسی کے سترہ اشعار میں لکھی، آخری شعر درج ذیل ہے:

گفتا سردش مرقد پاک تراب شہ
محسن بخواند خوابگہ مرشد زمن
۱۲۷۵ھ

ان کے علاوہ آپ نے بہت ساری تاریخیں کہی ہیں۔ آپ کے کہے ہوئے تاریخی قطعات محمد حسن وکیل مین پوری (خلف محسن کاکوروی) نے ''کلیات محسن کاکوروی''میں درج کیے ہیں۔

آپ کے نعتیہ کلام میں قصیدہ ''مدیح خیر المرسلین'' (۱۲۹۳ھ) بہت مشہور ہوا، جس کا پہلا شعر یہ ہے:

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پر لاتی ہے صبا گنگا جل

اس قصیدہ کی متعدد تضمینیں لکھی گئیں، سب سے عمدہ تضمین منشی عبدالمجید سحر کاکوروی مرحوم (المتوفی ۱۸۹۹ء) کی ہے، جس کا تاریخی نام ''مدح پیغمبر (۱۳۰۶ھ)'' ہے۔

حضرت محسن کاکوروی نے منشی عبدالمجید سحر کی کہی ہوئی تضمین پر منظوم قطعہ تاریخ لکھا، جس کے اٹھارہ اشعار ہیں آخری شعر یہ ہے:

ہاتف غیب نے محسن سے کہی یہ تاریخ
یہی خمسہ ہے وہ جس کا نہ ہے ہمسر نہ بدل
(۱۳۰۶ھ)

سید حمید الدین رعنا اور منشی امیر احمد مینائی (المتوفی ۱۹۰۰ء) نے بھی قصیدہ مدیح خیر المرسلین کو تضمین کیا۔ پروفیسر حامد حسن قادری مرحوم (المتوفی ۱۹۶۴ء) اس قصیدہ کے متعلق کہتے ہیں کہ ''یہ قصیدہ اس قدر مکمل و بلند و بلیغ تھا کہ ایک زمانہ میں اُردو کے تمام نعتیہ قصائد کو اس کے سامنے گھن لگ گیا تھا۔''

مولانا نجم الدین احمد ثاقب بدایونی (المتوفی ۱۹۴۵ء) نے حضرت محسن کے ''قصیدہ مدیح خیر المرسلین'' کے جواب میں ایک نعتیہ قصیدہ ''چراغ مدعا'' کے نام سے لکھا تھا۔

ایک مرتبہ حضرت محسن کاکوروی اپنا قصیدہ مدیح خیر المرسلین سنانے کے لیے مولانا

احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بریلی شریف آئے۔ ظہر کے وقت دو شعر سننے کے بعد طے ہوا کہ محسن کاکوروی صاحب کا پورا قصیدہ عصر کی نماز کے بعد سنا جائے گا عصر کی نماز سے قبل مولانا نے اپنا ''قصیدہ معراجیہ'' تصنیف فرمایا، جس کا پہلا شعر ہے:

وہ سرورِ کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

نماز عصر کے بعد جب دونوں بزرگ اکٹھے ہوئے تو مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے محسن مرحوم سے فرمایا کہ پہلے میرا ''قصیدہ معراجیہ'' سن لیں، محسن کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ نے جب مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا قصیدہ سنا تو اپنا قصیدہ لپیٹ کر جیب میں ڈال لیا اور کہا: مولانا! آپ کے قصیدے کے بعد میں اپنا قصیدہ نہیں سنا سکتا۔

حضرت محسن رحمۃ اللہ علیہ نے ''سراپا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ۱۲۶۶ھ میں لکھا، جس کا پہلا شعر یہ ہے:

للہ الحمد شب غم نے اٹھایا بستر
مرحبا طالع بیدار مبارک ہو سحر

ایک نعتیہ قصیدہ ''گلدستہ کلام رحمت'' ۱۲۵۸ھ میں لکھا جس کا پہلا شعر یہ ہے:

پھر بہار آئی کہ ہونے لگے صحرا گلشن
غنچہ ہے نام خدا نافہ آ ہوئے ختن

ایک نعتیہ قصیدہ ''ابیات نعت'' ۱۲۷۴ھ میں لکھا امیر مینائی مرحوم نے اس پر تضمین لکھی، جس کا تاریخی نام ''مخمس نعتیہ'' (۱۲۷۵ھ) ہے۔ ایک قصیدہ میلاد بنام ''صبح تجلی'' (۱۲۸۹ھ) لکھا۔ مثنوی ''چراغ کعبہ'' ۱۳۰۱ھ میں لکھی۔

انتقال سے تین سال پیشتر مشغلہ وکالت وکاروبار زمینداری سے قطعاً بے تعلقی اختیار کرلی تھی بروز دوشنبہ ۱۸ صفر ۱۳۲۳ھ/ ۲۴ اپریل ۱۹۰۵ء کو وصال ہوا۔

حضرت ناصر سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا ناصر الدین احمد عرف ابوالفیضان مولوی محمد شفیع، خواجہ ناصر بن خواجہ طفیل علی انصاری چشتی صابری علیہم الرحمہ ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۷ء میں قصبہ رام پور منہاراں ضلع سہارن پور (یوپی، ہندوستان)

میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نسب صحابی رسول حضرت سیدنا ابوایوب انصاری مدنی رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، آپ کے والد ماجد خواجہ طفیل علی چشتی صابر رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شیخ کریم بخش صابری قدس سرہٗ (المتوفی ۱۳۱۶ھ) ساکن رام پور منہاراں ضلع سہارنپور سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔ حضرت ناصر رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد ماجد ہی سے طریقت میں مجاز تھے۔

آپ نہایت حسین وجمیل تھے، کبھی کانوں تک اور کبھی کندھوں تک گھنگھریالے بال پھیلائے رکھتے تھے، درمیانہ قد، سڈول جسم، آنکھیں سرخ ڈورے دار بڑی خوشگوار تھیں، بارعب، باوقار انسان اور خلق محمدی کا صحیح نمونہ تھے، خلوت پسند تھے، ملاقات کے عام اوقات نہ تھے، اپنے اوراد واشغال کے اوقات میں کسی کے آشنا نہ تھے، رمضان المبارک میں عموماً معتکف رہتے، مجاہدات شاقہ کرتے اور مسرور رہتے، اکثر رمضان میں صبح کو وعظ بیان فرماتے تھے۔

حضرت ناصر رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق بریلی سے بہت قریبی رہا ہے۔ ایک تو بریلی میں ناصر میاں رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں کی تعداد کثیر تھی، دوسرے ناصر میاں رحمۃ اللہ علیہ کے مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ سے پرخلوص تعلقات تھے جو مرتے دم تک مضبوط رہے، چنانچہ حضرت ناصر میاں رحمۃ اللہ علیہ نے موت کے وقت اپنے صاحبزادے فیضان احمد صاحب کا ہاتھ مولانا احمد رضا خاں قدس سرہٗ کے ہاتھ میں دیا تھا اور سرپرستی وشفقت کے لیے فرمایا تھا۔ بعدہ مولانا احمد رضا خاں قدس سرہٗ نے ہی آپ کو قبر کی لحد میں اتارا۔ قبر پر امام احمد رضا خاں قدس سرہٗ کی کہی ہوئی تاریخ وفات کندہ ہے۔ (ماہنامہ ''جہان رضا'' ہندوستان میں بھی پڑھا جاتا ہے، اگر تحقیق سے دلچسپی رکھنے والے کوئی صاحب یہ تاریخ وفات نقل کر کے جہان رضا میں اشاعت کے لیے بھیج دیں تو نوازش ہوگی)۔

حضرت ناصر میاں رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا غالب حصہ عبادت الٰہی، وعظ و پند، تعلیم و تلقین اور تصنیف و تالیف میں گزرا نعتیہ شاعری بھی کی۔ محسن کاکوروی کی طرح ان کا

کلام بھی اس معیار کا ہے کہ وہ درس گاہوں کے نصاب میں شامل ہو یا اہل ذوق حضرات اسے زبر کریں۔ ان کی لکھی ہوئی نعت کا یہ شعر بہت مشہور ہے:

وہ دن خدا کرے کہ مدینہ کو جائیں ہم
خاک در رسول کا سرمہ لگائیں ہم

اس نعت کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

وہ دن خدا کرے کہ مدینے کو جائیں ہم
خاک در رسول کا سرمہ لگائیں ہم
جالی پکڑ کے روضہ گردوں جناب کی
سب حال دل رسول خدا کو سنائیں ہم
آنکھیں ملیں کبھی در اقدس پر اور کبھی
آنکھوں سے اپنی خون کے دریا بہائیں ہم
تم دیکھو یا نہ دیکھو مگر مثل شمع بزم
جل جل کے جاں کو خاک میں اپنی ملائیں ہم
سوز غم رسول کے وہ دل جلے ہیں ہم
اک آہ آتشیں سے سقر کو جلائیں ہم

حضرت ناصر میاں رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کا تعارف درج ذیل ہے:

۱۔ التنقیح الادق فی اصلاح تحقیق الحق، سن تصنیف ۱۳۰۴ھ/ ۱۸۸۶ء مطبوعہ دار العلوم میرٹھ۔

۲۔ موج کوثر، ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء مطبوعہ شوکت المطابع میرٹھ۔

۳۔ لمعہ برق جلال ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۸۹ء مطبوعہ مطبع حقانی لدھیانہ۔

۴۔ ترانہ ناصر ۱۳۱۷ھ/ ۱۸۹۹ء مطبوعہ شوکت المطابع میرٹھ۔

۵۔ خزینہ رحمت ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء مطبوعہ شوکت المطابع میرٹھ۔

۶۔ فردوس شہادت ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۵ء مطبوعہ مطبع قادری بریلی۔

۷۔ مناقب صابر ۱۳۲۲ھ/ ۱۹۰۵ء مطبوعہ مطبع قادری بریلی۔

۸۔ نغمہ عشق ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۵ء مطبوعہ مطبع قادری بریلی۔

۹۔ دیوان نعتیہ ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء مطبوعہ مطبع قادری بریلی۔

۱۰۔ فغان ناصر ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء مطبوعہ مطبع قادری بریلی۔

۱۱۔ مثنوی پیکر حشر ونشر ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء مطبوعہ مطبع قادری بریلی۔

(مطبع قادری گلی حکیم وزیر علی کڑہ مانرائے بریلی میں واقع تھا، اس کے مالک سید نثار علی صاحب، ناصر میاں کے مرید اور بریلی کے مشہور نعت خواں تھے)۔

۱۲۔ مباحثہ رائے پور در بارۂ مولود۔

۱۳۔ شجرہ طیبہ۔

۱۴۔ مباحثہ اعظم گڑھ (منظوم)۔

۱۵۔ چمنستان نعت۔

۱۶۔ طنطنۂ صولت۔

۱۷۔ مجموعہ مکتوبات ناصر فارسی غیر مطبوعہ۔

۱۸۔ کلام معشوق چشتی یعنی دیوان فارسی غیر مطبوعہ۔

۱۹۔ مسدس ناصری اُردو غیر مطبوعہ۔

۲۰۔ تنبیہ وہابیہ غیر مطبوعہ۔

۲۱۔ کلیات اُردو غیر مطبوعہ۔

۲۲۔ کلیات فارسی غیر مطبوعہ۔

حضرت ناصر میاں رحمۃ اللہ علیہ کا قیام نومحلہ (بریلی) میں تھا۔ آپ کا وصال ۱۳۲۶ھ/ ۱۹۰۸ء میں ہوا، مسجد نومحلہ میں مدفون ہوئے۔ ہر سال رمضان المبارک میں عرس ہوتا ہے۔

ماخذ ومراجع

۱۔ احترام الدین شاغل، تذکرہ شعرائے جے پور، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۵۸ء۔

۲۔ سہ ماہی ''الزبیر'' (آپ بیتی نمبر) بہاول پور ۱۹۶۴ء۔

۳۔ قاضی عبدالنبی کوکب، مقالات یوم رضا، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء۔

۴۔ ماہنامہ ''شام وسحر (نعت نمبر) لاہور شمارہ جنوری، فروری ۱۹۸۱ء۔

۵۔ محمد حسن وکیل مین پوری، کلیات محسن کاکوروی۔

۶۔ ڈاکٹر شمس بدایوانی، تذکرہ نعت گویاں بدایوں، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۷ء۔

۷۔ پروفیسر سید لطیف حسین ادیب، تذکرہ نعت گویاں بریلی، مطبوعہ بریلی ۱۹۸۶ء۔

۸۔ ماہنامہ ''آستانہ زکریا'' ملتان، شمارہ اکتوبر ۱۹۵۸ء۔

☆☆☆☆

انجینئر مرزا محمد علی کے ایک اعتراض کا مدلل جواب

ابو المناظر سید مشاہد حسین کاظمی

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ احناف کے اس مسئلہ کو "امام رکوع میں ہو اور مقتدی تکبیر کہہ کر اس کے ساتھ رکوع میں مل جائے تو اس کو وہ رکعت مل جاتی ہے۔" پر انجینئر مرزا (محمد علی) نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ مؤقف حدیثِ پاک کے صریح خلاف ہے حدیث پاک میں اِس سے منع کیا گیا ہے پھر اُس نے ترجمہ والی بخاری شریف سے ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث کا ترجمہ پڑھا کہ ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرح کیا تھا تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ آئندہ ایسا نہ کرنا تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو منع کیا ہے اور اہل کوفہ (امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے حدیث کا خلاف کرتے ہوئے اس کو اپنا شیوہ بنالیا، اس کی اس بات میں کتنی حقیقت ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب بعون الملك الوهاب

اللھم ہدایۃ الحق والصواب

آپ کو انجینئر مرزا کی علمیت کا اندازہ یہاں سے ہی لگا لینا چاہیے کہ اس نے ترجمہ والی بخاری سے مذکورہ حدیث کا ترجمہ ہی سنایا، نہ عربی متن پڑھا اور نہ ہی پورا ترجمہ بیان کیا بلکہ حدیثِ پاک کے معنی کو کچھ کا کچھ بنا کر یہ جتانے کی ناکام کوشش کی کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے عظیم تابعی مجتہد کا مذکورہ مسئلہ حدیثِ پاک کے مخالف، اپنا خود ساختہ اور بقول اس کے اپنا شیوہ بنایا ہوا ہے

(العیاذ باللہ) اور اس کے پاس کوئی مضبوط دلیل نہیں۔

اپنے موقف (امام کے ساتھ رکوع پانا رکعت پانا ہے) کی تائید میں احادیثِ مبارکہ اور اقوال و افعالِ صحابہ اور عبارات فقہاء پیش کرنے سے پہلے میں مرزا کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس کا یہ فتویٰ کہ ''مذکورہ مذہب حدیث کے خلاف اور حدیث کے مقابلے گڑھا گیا ہے'' امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے علاوہ امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی علیہم الرحمہ جیسی جلیل القدر شخصیات پر بھی لگ رہا ہے کیونکہ مذکورہ مؤقف ان کا بھی ہے جیسا کہ ان کی کتبِ فقہ سے واضح ہے۔ مزید بھی یہ فتوی کن کن عظیم شخصیات پر لگتا ہے؟ دیکھتا جائے اور گنتا جائے۔ چنانچہ

☆ ابوعمر یوسف القرطبی (المتوفی: ۴۶۳ھ) اپنی کتاب ''التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد'' میں فرماتے ہیں:

''وقال جمهور العلماء: من أدرك الإمام راكعاً، فكبرو ركع وأمكن يديه من ركبتيه قبل أن يرفع الإمام رأسه من الركوع فقد أدرك الركعة، ومن لم يدرك ذلك، فقد فاتته الركعة، ومن فاتته الركعة، فقد فاتته السجدة، لا يعتد بالسجود و عليه أن يسجد مع الإمام ولايعتدبه، هذا مذهب مالك والشافعي وأبي حنيفة وأصحابهم، وهو قول الثوري والأوزاعي وأبي ثورو أحمد بن حنبل وإسحاق، وروى ذلك عن علي وابن مسعودو زيد بن ثابت و بن عمر و عطاء و إبراهيم النخعي وميمون وعروة بن الزبير'' ترجمہ: جمہور علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جس نے امام کو رکوع کی حالت میں پایا، تکبیر کہی اور امام کے رکوع سے سر اُٹھانے سے پہلے پہلے مقتدی کے ہاتھ گھٹنوں کو پہنچ گئے تو اس نے وہ رکعت پالی اور جو ایسا نہ کر سکا اس کی وہ رکعت فوت ہوگئی اور جس کی رکعت

فوت ہوگئی اس کی اس رکعت کا سجدہ بھی فوت ہوگیا، اس کو شمار نہ کرے اور اس پر لازم ہے کہ امام کے ساتھ سجدہ کرے لیکن اسے شمار نہ کرے۔

یہ مذہب امام مالک، امام شافعی، امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا ہے اور یہ امام ثوری، امام اوزاعی، امام ثور، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق کا قول ہے۔ اور یہ قول حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، زید بن ثابت، عبداللہ بن عمر، عطاء، ابراہیم نخعی، میمون اور حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے روایت کیا گیا ہے۔

(التمهيد في الموطأ من المعانی والأسانيد، ج۷، ص۷۳، وزارة عموم الأوقاف والشؤون الإسلامية)

مذکورہ شخصیات جن میں حضرت علی، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت جیسے جلیل القدر صحابہ کرام اور آئمہ اربعہ جیسے جلیل القدر مجتہدین موجود ہیں، مرزا کے مطابق ان کا مؤقف حدیث کے خلاف اور اپنا خود ساختہ مذہب ہے۔ (معاذ اللہ من ذلک) ایسے ہی جاہلوں کے بارے میں آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''من افتی بغیر علم لعنته ملائكة السماء والارض'' یعنی جو بغیر علم کے فتویٰ دے اس پر آسمان و زمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

(کنز العمال، حدیث: ۲۹۰۱۸)

ایک اور حدیث میں میرے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اتخذ الناس رؤساً جُهالا فسئلوا فافتوا بغير علم فضلوا واضلوا'' یعنی لوگ جاہلوں کو سردار بنالیں گے اور ان سے مسئلہ پوچھیں گے وہ بے علم فتویٰ دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ (صحیح بخاری) اور مرزا بھی انہیں احادیث کا مصداق ہے۔

اب اپنے مؤقف کہ (امام کے ساتھ رکوع پانا رکعت پانا ہے) پر احادیث اور ان احادیث کی تائید میں صحابہ کرام، تابعین

عظام و آئمہ مجتہدین کے اقوال وافعال پیش خدمت ہیں تاکہ قارئین حضرات کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ مسئلہ خود ساختہ یا حدیث کے مخالف و مقابل گڑھا ہوا نہیں بلکہ شریعتِ مطہرہ کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ

☆ سنن کبریٰ للبیہقی میں ہے: ''أخبرنا أبو عبدالله الحافظ، أخبرني محمد بن أحمد بن بالويه، ثنا محمد بن غالب، حدثني عمرو بن مرزوق، أنبأ شعبة، عن عبدالعزيز بن رفيع، عن رجل، عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال: "إذا جئتم والإمام راكع فاركعوا، وإن كان ساجدا فاسجدوا، ولا تعتدوا بالسجود إذا لم يكن معه الركوع''

ترجمہ: آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب تم جماعت کے لیے جاؤ اور امام رکوع کی حالت میں ہو تو رکوع کرلو اور اگر سجدے کی حالت میں ہو تو سجدہ کرلو اور سجدوں کو اُس وقت تک شمار نہ کرنا جب تک اس کے ساتھ رکوع نہ ہو۔ (السنن الکبری للبیہقی، ج ۲، ص ۱۲۸، حدیث ۲۵۷۶، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

☆ مذکورہ حدیث مبارکہ کنز العمال میں بھی بعینہ انہی الفاظ سے موجود ہے۔
(کنز العمال فی سنن الأقوال والأفعال، ج ۷، ص ۶۴۴، حدیث ۲۰۶۹۵، مؤسسۃ الرسالۃ)

☆ حضرت زین الدین عبدالرحمٰن رجب علیہ رحمۃ اللہ الاکرم اپنی بخاری شریف کی شرح فتح الباری میں حدیث نقل کرتے ہیں: ''وقد روى عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم أن من أدرك الركوع فقد أدرك الركعة'' ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا گیا کہ جس نے امام کے ساتھ رکوع پالیا اس نے رکعت پالی۔
(فتح الباري، ج۷، ص۱۱٦، مكتبة الغرباء الأثرية، المدينة النبوية)

افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدیق اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل:

☆ سنن کبریٰ للبیہقی میں ہے: ''أخبرنا

أبوبكر بن الحارث، أنبأ أبو محمد بن حيان، أنبأ إبراهيم بن محمد بن الحسن، أنبأ أبو عامر، ثنا الوليد بن مسلم، أخبرني ابن ثوبان، عن أبيه، عن مكحول، عن أبي بكر بن عبد الرحمن بن الحارث بن هشام، أن أبابكر الصديق، وزيد بن ثابت دخلا المسجد والإمام راكع فركعا، ثم دباوهما راكعان حتى الحقا بالصف'' ترجمہ: حارث بن ہشام سے مروی ہے کہ ابوبکر صدیق اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسجد میں داخل ہوئے اور امام رکوع میں تھا تو دونوں نے رکوع کیا اور رکوع کی حالت میں صف سے جا ملے۔ (السنن الکبری، ج ۲، ص ۱۲۹، حدیث ۲۵۸۵، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول:

☆ سنن کبریٰ میں ہے: ''أخبرنا أبو زكريا بن أبي إسحاق المزكي، أنبأ أحمد بن سلمان الفقيه، أنبأ الحسن بن مكرم، ثنا علي بن عاصم، ثنا خالد الحذاء، عن علي بن الأقمر، عن أبي الأحوص، عن عبد الله يعني ابن مسعود قال: من لم يدرك الإمام راكعا لم يدرك تلك الركعة'' ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: جو امام کو رکوع میں نہ پا سکا تو اس نے وہ رکعت بھی نہ پائی۔ (السنن الکبری، ج ۲، ص ۱۲۸، حدیث ۲۵۷۸، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

حضرت عبد اللہ بن مسعود اور زید بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل:

☆ سنن کبریٰ میں ہے: ''أخبرنا أبو نصر بن قتادة، أنبأ أبو الفضل بن خميرويه، ثنا أحمد بن نجدة، ثنا سعيد بن منصور، ثنا أبو الأخوص، ثنا منصور، عن زيد بن وهب قال: خرجت مع عبد الله يعني ابن مسعود من داره إلى المسجد فلما توسطنا المسجد ركع الإمام فكبر عبد الله وركع وركعت

معه، ثم مشينا راكعين حتى انتهينا إلى الصف حين رفع القوم رؤسهم فلما قضى الإمام الصلاة قمت وأنا أرى أني لم أدرك فأخذ عبدالله بيدي وأجلسني، ثم قال: إنك قد أدركت''

ترجمہ: زید بن وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ یعنی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر سے ان کے ساتھ مسجد کے لیے نکلا تو جب ہم مسجد پہنچے تو امام صاحب رکوع میں چلے گئے تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تکبیرِ تحریمہ کہی اور رکوع میں چلے گئے اور میں بھی ان کے ساتھ رکوع میں چلا گیا اور پھر جب قوم رکوع سے سر اٹھا رہی تھی ہم رکوع کی حالت میں صف تک پہنچے، تو جب امام صاحب نے نماز مکمل کی تو میں اس گمان سے کہ میں نے رکعت نہیں پائی کھڑا ہو گیا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے بٹھا دیا اور فرمایا کہ بیشک تم نے وہ رکعت پا لی۔

(السنن الکبریٰ، ج ۲، ص ۱۳۰، حدیث ۲۵۸۷، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

☆ مذکورہ روایت کو انہی الفاظ کے ساتھ علامہ عینی علیہ رحمۃ اللہ القوی نے اپنی کتاب ''عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری'' میں بھی ذکر فرمایا۔

(عمدۃ القاری، ج ٦، ص ۵۵، الحدیث ۷۸۳، باب اذا رکع دون الصّف، داراحیاء التراث، بیروت)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول:

☆ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: ''حدثنا أبوبكر قال: ناحفص، عن ابن جريج، عن نافع، عن ابن عمر، قال: إذا جئت والإمام راكع فوضعت يديك على ركبتيك قبل أن يرفع رأسه فقد أدركت'' ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: جب تم جماعت کے لیے جاؤ اور امام بحالتِ رکوع ہو تو اگر امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے پہلے تم نے (تکبیر تحریمہ کہنے کے

بعد) اپنے دونوں گھٹنوں پر دونوں ہاتھ رکھ لیے تو تم نے وہ رکعت پالی۔ (المصنف، ج۱، ص۲۱۹، حدیث ۲۵۲۰، مکتبۃ الرشید، الریاض)

☆ یہ روایت بعینہ انہیں الفاظ کے ساتھ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد القرطبی (المتوفی ۴۶۳ھ) نے اپنی کتاب ''التمهيد لما في المؤطا من المعاني والاسانيد'' میں ذکر فرمائی۔

(التمہید، ج۷، ص۷۴، وزارۃ عموم الاوقاف والشوون الاسلامیۃ، المغرب)

حضرت زید بن ثابت اور عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل:

☆ سنن کبری میں ہے: ''أخبرنا محمد بن عبدالله الحافظ، ثنا أبو العباس محمد بن يعقوب، ثنا محمد بن خالد بن خلي، ثنا بشر بن شعيب بن أبي حمزة، عن أبيه، عن الزهري قال: كان زيد بن ثابت إذ ادخل المسجد والناس ركوع استقبل القبلة فكبر، ثم ركع، ثم دب وهو راكع حتى يصل إلى الصف........ وقال هشام بن عروة بن الزبير: كان عروة يفعل ذلك'' ترجمہ: امام زہری سے مروی کہ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسجد میں داخل ہوئے اور لوگ رکوع میں تھے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قبلہ رُخ ہوکر تکبیر فرمائی اور رکوع کی حالت میں صف سے جا ملے...... ہشام بن عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ایسا کیا کرتے تھے۔

(السنن الکبری، ج۲، ص۱۳۰، حدیث ۲۵۸۹، دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

حضرت میمون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول:

☆ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے: ''حدثنا كثير بن هشام، عن جعفر، عن ميمون، قال: إذا دخلت المسجد والقوم ركوع فكبرت قبل أن يرفعوا رؤسهم، فقد أدركت الركعة'' ترجمہ: حضرت میمون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جب تم مسجد میں داخل ہو اور قوم بحالتِ رکوع ہو تو قوم کے رکوع سے سر اُٹھانے سے پہلے تم نے رکوع کی

تکبیر کہہ لی (اور رکوع میں چلے گئے) تو تم نے وہ رکعت پالی۔
(المصنف فی الاحادیث والآثار، ج۱،ص۲۲۰، حدیث ۲۵۲۳،مکتبۃ الرشد،الریاض)

حضرت عطاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول:

☆ امام بخاری کے استاد صاحب کی کتاب ''مصنف عبدالرزاق'' میں ہے: ''عن عطاء قال: إذا رکعت قبل أن یرفع الامام رأسه فقد أدرکت، فإن رفع قبل أن ترکع فقد فاتتك'' ترجمہ: حضرت عطاء رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جب تم امام کے رکوع سے سر اُٹھانے سے پہلے پہلے رکوع کرلو تو تم نے وہ رکعت پالی اور اگر امام نے تیرے رکوع کرنے سے پہلے سر اُٹھالیا تو تیری رکعت فوت ہوگئی۔
(المصنف عبدالرزاق، ج۲،ص ۲۸۲،حدیث ۳۳۷۵، المکتب الاسلامی، بیروت)

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول:

☆ سنن کبری للبیہقی میں ہے:''أخبرنا أبوبکر بن الحارث، أنبأ أبو محمد بن حیان، ثنا إبراهیم، ثنا أبو عامر، ثنا الولید قال: وأخبرنی إسماعیل، عن عمرو بن مهاجر، عن عمر بن عبدالعزیز قال: إذا أدرکهم رکوعا کبر تکبیر تین تکبیرة لافتتاح الصلاة و تکبیرة للرکوع وقد أدرك الرکعة'' ترجمہ:حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: جب کوئی شخص قوم کو رکوع میں پائے تو وہ دو تکبیریں کہے ایک نماز شروع کرنے کے لیے اور دوسری رکوع میں جانے کے لیے تو تحقیق وہ (امام کو رکوع میں پانے کی وجہ سے) رکعت پالے گا۔ (السنن الکبری، ج۲، ص۱۳۱،حدیث ۲۵۹۱،دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

اب سوال میں مذکور حدیث کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث کی تشریح:

☆ سوال میں مذکور حدیث بخاری شریف

میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے ''وعن أبي بكرة: أنه انتهى إلى النبي صلى الله عليه وسلم وهو راكع، فركع قبل أن يصل إلى الصف، ثم مشى إلى الصف فذكر ذلك للنبي صلى الله عليه وسلم، قال: زادك الله حرصا، ولا تعد''
ترجمہ: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں پہنچے تو آقا ﷺ رکوع میں تھے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صف میں پہنچنے سے پہلے ہی رکوع کر لیا اور پھر صف کی طرف چلے تو یہ معاملہ نبی کریم ﷺ سے ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تیری عبادت کی حرص کو زیادہ فرمائے، ایسا نہ کرنا۔'' (صحیح بخاری، باب اذا رکع دون الصّف، ج ۱، ص ۱۷۸، مکتبہ رحمانیہ، لاہور)

یہ حدیث دراصل ہمارے مسئلے کی دلیل ہے جس کو مرزا نے اپنی چالاکی و چرب زبانی سے فقط بخاری کا ترجمہ سنا کر اپنے بے بنیاد مؤقف کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جس کی تردید و تکذیب اب تک کے دلائل سے واضح ہے۔ یہ حدیث ہماری دلیل اس طرح ہے کہ ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رکوع میں شامل ہونے کی اتنی جلدی کی کہ صف سے پہلے ہی رکوع کر کے شامل ہو گئے تو ایسا کیوں؟ اور کس مقصد سے کیا؟ یہی مقصد تھا کہ مجھے امام الانبیاء ﷺ کا رکوع مل جائے اور میری رکعت فوت نہ ہو اور آقا ﷺ نے بھی انہیں اس نماز کے اعادے کا حکم نہیں دیا جو اس کی واضح دلیل ہے۔

اعتراض: تو پھر آقا ﷺ نے ان کو کس چیز سے منع فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آقا ﷺ نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام کے ساتھ رکوع ملنے کی وجہ سے اس رکعت کو شمار کرنے سے منع نہیں فرمایا جو مرزا نے سمجھا بلکہ نماز کی طرف شدید تیز چلنے کہ جس سے سانس پھول جائے، صف سے پہلے ہی رکوع

کر لینے، اتنی تاخیر کرنے کہ جس سے رکعت فوت ہونے کا خوف ہو اور صف کی طرف بحالت رکوع چلنے سے منع فرمایا اور ایک قول کے مطابق نماز کے اعادے سے منع فرمایا۔ یہ خلاصہ تھا جو علامہ عینی اور ملا علی قاری علیہما الرحمہ نے فرمایا۔ اب ان حضرات کی عبارت ملاحظہ فرمائیں۔

☆ اس حدیث کی شرح میں علامہ بدر الدین عینی حنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی ''عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری'' میں فرماتے ہیں: ''قوله: (فذكر ذلك النبي صلى الله عليه وآله وسلم) أي: فذكر ما فعله أبوبكرة من ركوع دون الصف، وفي رواية أبي داود: (فلما قضى النبي صلى الله عليه وسلم صلاته، قال: أيكم الذي ركع دون الصف ثم مشى إلى الصف؟ فقال أبوبكرة: أنا، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: زادك الله حرصا، ولا تعد) وفي رواية الطبراني من رواية حماد بن سلمة: (فلما انصرف رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: أيكم دخل الصف وهو راكع؟) قوله: (زادك الله حرصا) أي: على الخير، قوله: (ولا تعد) قال السفاقسي عن الشافعي، يعني: لا تركع دون الصف وقيل: لا تعد أن تسعى إلى الصلاة سعيا يحفزك في النفس وقيل: لا تعد إلى الإبطاء و قال الطحاوي: قوله: (لا تعد) عندنا يحتمل معنين: يحتمل ولا تعد أن تركع دون الصف حتى تقوم في الصف، كما قد روى عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: (إذا أتى أحدكم الصلاة فلا يركع دون الصف حتى يأخذ مكانه من الصف) ويحتمل أي ولا تعد أن تسعى إلى الصف سعيا يحفزك فيه النفس، كما جاء عن أبي هريرة رضي الله تعالى عنه عن رسول

الله صلى الله عليه وسلم قال: (إذا أقيمت الصلاة فلا تأتوها وأنتم تسعون، واتوها وأنتم تمشون وعليكم السكينة، فما أدركتم فصلوا وما فاتكم فأتموا) وقال القاضي البيضاوي: يحتمل أن يكون عائد إلى المشي إلى الصف في الصلاة، فإن الخطوة والخطوتين، وإن لم تفسد الصلاة، لكن الأولى التحرز عنها، ثم قوله: (ولا تَعُد) في جميع الروايات، بفتح التاء وضم العين من العود وقيل: روى بضم التاء وكسر العين (ولا تُعِد): من الإعادة، فإن صحت هذه الرواية فمعناه: ولا تُعِد صلاتك۔

ذكر ما يستفاد منه: قال الطحاوي: في هذا الحديث أنه ركع دون الصف فلم يأمره رسول الله صلى الله عليه وسلم بإعادة الصلاة۔ انتهى۔ وروى عن ابن مسعود و زيد بن ثابت رضي الله تعالى عنهما: أنهما فعلا ذلك، ركعا دون الصف ومشيا إلى الصف ركوعا، وفعله عروة بن الزبير و سعيد بن جبير و أبو سلمة و عطاء، وقال مالك والليث: لا بأس بذلك إذا كان قريبا قدر ما يلحق ''ترجمہ: حدیث کا یہ جز کہ (تو یہ معاملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا گیا) یعنی ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو صف سے پیچھے ہی رکوع کرلیا تھا اُس کو ذکر کیا گیا اور سنن ابوداوَد کی روایت میں ہے (کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز مکمل کی تو فرمایا: تم میں سے کس نے صف کے پیچھے رکوع کیا اور پھر صف سے جا ملا؟ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی! میں تھا، تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تیری حرص میں زیادتی فرمائے آئندہ ایسا نہ کرنا) اور طبرانی کی حماد بن سلمہ سے مروی روایت میں ہے (جب آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز سے سلام پھیرا تو فرمایا: تم میں سے کون صف میں رکوع کی حالت میں داخل ہوا؟) اور آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ

فرمان (اللہ تیری حرص میں زیادتی فرمائے) یعنی خیر پر تیری حرص زیادہ فرمائے اور حضور کا یہ فرمان (ایسا نہ کرنا) امام سفاقسی امام شافعی سے اس کی مراد کو نقل کرتے ہیں کہ اس فرمان سے مراد ہے کہ ایسا نہ کرنا کہ تم اس طرح بھاگ کر نماز کے لیے آؤ کہ تمہارا سانس پھول جائے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ نماز میں دوبارہ تاخیر نہ کرنا۔ اور امام طحاوی فرماتے ہیں کہ حضور کا یہ فرمان کہ ''ایسا نہ کرنا'' دو معنی کا احتمال رکھتا ہے (۱) کہ تم دوبارہ صف کے علاوہ رکوع نہ کرنا یہاں تک کہ صف میں آکر کھڑے ہو جاؤ، جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ آپ فرماتے ہیں کہ آقا ﷺ نے فرمایا: (جب تم میں سے کوئی نماز کے لیے آئے تو وہ صف کے علاوہ رکوع نہ کرے یہاں تک کہ صف میں اپنی جگہ کھڑا ہو جائے) (۲) اور یہ بھی احتمال ہے کہ ایسا نہ کرنا کہ تم اس طرح بھاگ کر نماز کے لیے آؤ کہ تمہارا سانس پھول جائے۔ جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ آپ فرماتے ہیں کہ آقا ﷺ نے فرمایا: (جب نماز قائم کی جائے تو اُس کی طرف بھاگتے ہوئے نہ جاؤ بلکہ اس طرح جاؤ کہ تم سکون و اطمینان میں ہو تو نماز کا جو حصہ پا لو اُس کو ادا کر لو اور جو رہ جائے اس کو بعد میں مکمل کر لو) اور قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ آقا ﷺ کا فرمان (لاتعد) نماز میں صف کی طرف چلنے پر محمول ہونے کا احتمال رکھتا ہے، اور بیشک نماز میں ایک دو قدم چلنا اگرچہ نماز کو فاسد نہیں کرتا مگر اس سے بھی بچنا اولیٰ ہے۔ پھر آقا ﷺ کا یہ قول کہ (لا تعد یعنی ایسا نہ کرنا) تمام روایات میں تاء کے فتح اور عین کے ضمہ کے ساتھ عود سے مشتق ہے اور ایک قول (لا تُعِد) تاء کے ضمہ اور عین کے کسرہ کے ساتھ اعادہ سے مشتق روایت کیا گیا ہے اور اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس کا معنی ہو گا کہ اپنی نماز کا اعادہ نہ کرنا۔

جو اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے اس کا

ذکر:

امام طحاوی اس حدیثِ پاک کے ثمرے میں فرماتے ہیں کہ ان صحابی رسول نے صف سے پیچھے رکوع کیا تو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نماز کے دوبارہ لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔ (امام طحاوی کا کلام مکمل) اور عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا گیا کہ ان دونوں حضرات نے ایسا کیا کہ صف سے پہلے ہی رکوع کرلیا اور رکوع کی حالت میں صف سے جا ملے اور یہ قول حضرت عروہ بن زبیر، سعید بن جبیر، ابوسلمہ اور حضرت عطاء رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے فرمایا۔ امام مالک اور امام لیث فرماتے ہیں کہ جب مقتدی صف سے ملنے کے قریب ہو تو اس (یعنی بحالتِ رکوع چلنے) میں کوئی حرج نہیں۔

(عمدۃ القاری، ج۶ ص۵۵، الحدیث ۷۸۳، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

اب اسی حدیث کی شرح میں ملا علی قاری علیہ رحمۃ اللہ الباری کا کلام ملاحظہ فرمائیں۔

☆ مرقاۃ المفاتیح میں ہے: ”(وعن أبي بكرة: أنه انتهى إلى النبي صلى الله عليه وسلم وهو) أي: النبي (راكع، فركع، أي: نوى و كبر قائما وركع (قبل أن يصل إلى الصف) ليدركه عليه السلام فإن من أدرك الركوع، فقد أدرك تلك الركعة (ثم مشى إلى الصف) أي: بخطوتين أو بأكثر غير متوالية (فذكر) على البناء للمفعول، وقيل معلوم (ذلك) أي: ما فعله للنبي صلى الله عليه وسلم، فقال: زادك الله حرصا) على الطاعة والمبادرة إلى العبادة (ولا تعد) بفتح التاء وضم العين من العود، أي: لا تفعله مثل ما فعلته ثانيا، وروي ولا تعد بسكون العين وضم الدال من العدو، أي: لا تسرع في المشي إلى الصلاة، واصبر حتى تصل إلى الصف، ثم اشرع في الصلاة، وقيل:

بضم التاء و كسر العين من الإعادة، أي: لا تعد الصلاة التي صليتها۔ قال النووي في شرح المهذب: فيه أقوال، أحدها: لا تعد من العدو، كقوله "لا تأتوها تسعون" والثاني: لا تعد إلى التأخر عن الصلاة حتى تفوتك الركع مع الإمام، والثالث: لا تعد إلى الإحرام خلف الصف نقله ميرك، ولا خفاء أن المعنى الثالث أنسب بالمقام، والأجمع ما قال العسقلاني ضبطناه في جميع الروايات بفتح أوله وضم العين من العود، أي: لا تعد إلى ما صنعت من السعي الشديد، ثم من الركوع دون الصف، ثم من المشي إلى الصف"

ترجمہ: (حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچے اور وہ) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (رکوع میں تھے، تو انہوں نے بھی رکوع کیا) یعنی کھڑے کھڑے نیت کی، تکبیر کہی اور رکوع میں گئے (قبل اس سے کہ صف میں پہنچتے) تا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رکوع میں پالیں کہ بیشک جس نے رکوع پالیا اس نے وہ رکعت پالی (پھر وہ صف تک چلے) یعنی دو قدم یا اس سے زیادہ کچھ وقفے سے نہ کہ پے در پے (تو ذکر کیا گیا) مبنی للمفعول ہونے کے اعتبار سے (یہ ترجمہ ہے) اور ایک قول میں یہ معلوم کا صیغہ ہے۔ (یہ معاملہ) یعنی جو حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل تیری حرص زیادہ فرمائے) نیکی اور عبادت کی طرف جلدی کرنے پر (لا تعد یعنی ایسا نہ کرنا) تاء کے فتح اور عین کے ضمہ کے ساتھ ''عود'' سے مشتق، یعنی یہ کام جو کیا ہے دوبارہ نہ کرنا۔ اور روایت کیا گیا کہ ''لا تعد'' عین کے سکون اور دال کے ضمہ کے ساتھ ''عدو'' سے مشتق، یعنی نماز کی طرف چلنے میں جلدی نہ کر اور صبر کر یہاں تک کہ تو صف میں پہنچ جائے، پھر نماز شروع کر۔ اور ایک قول یہ بھی کیا گیا

کہ ''لاتُعِد'' تاء کے ضمہ اور عین کے کسرہ کے ساتھ ''اعادہ'' سے مشتق، یعنی جو نماز پڑھ لی اُس کو نہ لوٹانا۔ امام نووی علیہ رحمۃ اللہ القوی اپنی شرح مہذب میں فرماتے ہیں: ''لاتعد'' میں کئی اقوال ہیں: (۱) لاتعد عدو سے مشتق ہے جیسے کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ''نماز کی طرف بھاگ کر نہ آؤ''۔ (۲) یعنی نماز میں دوبارہ اتنی تاخیر نہ کرنا کہ تمہاری رکعت امام کے ساتھ ملنے سے رہ جائے۔ (۳) دوبارہ صف سے پہلے ہی تکبیر تحریمہ نہ کہنا۔ اس قول کو امام میرک نے نقل کیا اور اس بات میں کوئی پوشیدگی نہیں کہ تیسرا معنی مقامِ حدیث کے زیادہ مناسب ہے۔ اور جو تمام روایات ہم نے ذکر کیں ان کو امام عسقلانی علیہ رحمۃ اللہ الباری کے قول نے ایک جگہ جمع فرمادیا: ''کہ لاتعد تاء کے فتح اور عین کے ضمہ کے ساتھ ''عوذ'' سے مشتق ہے، یعنی دوبارہ نماز کی طرف شدید تیز نہ چلنا، نہ صف سے پہلے رکوع کرنا، نہ صف کی طرف بحالتِ رکوع چلنا۔ (مرقاۃ المفاتیح، ج ۳، ص ۱۶۶- ۱۶۷، الحدیث ۱۱۱۰، مطبوعہ کوئٹہ)

مذکورہ اقوال میں کہیں بھی مرزا کے مؤقف کو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد بیان نہیں کیا گیا۔ اب مرزا اپنا بے بنیاد مسئلہ، بلکہ شریعت مطہرہ پر تہمت کو ثابت کرنے کے لیے کس کس صحابی، تابعی اور مجتہد کو کوفی ثابت کرے گا۔ (والعیاذ باللہ)

اب فقہائے کرام علیہم الرضوان کے مؤقف کو ملاحظہ فرمائیں:

علامہ تمرتاشی علیہ رحمۃ اللہ القوی کا مؤقف اور اس کی شرح میں علامہ علاؤ الدین حصکفی کا کلام:

☆ علامہ تمرتاشی علیہ رحمۃ اللہ القوی تنویر الابصار میں فرماتے ہیں: (ولو اقتدی بامام راكع فوقف حتى رفع الامام رأسه لم يدرك) المؤتم (الركعة) (علامہ علاؤ الدین حصکفی کا کلام) ''لان المشاركة فى جزء من الركن شرط،

ولم توجد فيكون مسبوقاً فيأتي بها بعد فراغ الامام'' ترجمہ: (اگر مقتدی نے رکوع میں موجود امام کی اقتداء کی اور رُکا رہا یہاں تک کہ امام نے رکوع سے سر اُٹھا لیا تو) مقتدی (نے وہ رکعت نہ پائی) اس لیے کہ رکن کے کسی بھی جز میں ملنا شرط ہے جو کہ اس مسئلے میں نہیں پایا گیا تو یہ مسبوق ہوگا اور امام کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس رکعت کو ادا کرے گا (جس رکعت کا امام کے ساتھ رکوع نہ پاسکا)۔

(تنویر الابصار مع الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب ادراک الفریضۃ، ج ۲، ص ۶۲۳، مطبوعہ کوئٹہ)

ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفی علیہ الرحمہ اور علامہ فخر الدین عثمان الزیلعی الحنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی کا مؤقف:

☆ ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفی علیہ الرحمہ کنز الدقائق میں فرماتے ہیں: ''(وإن أدرك إمامه راكعا فكبر ووقف حتى رفع رأسه لم يدرك تلك الركعة)'' ترجمہ: اگر مقتدی نے امام کو رکوع میں پایا اور رُکا رہا یہاں تک کہ امام نے رکوع سے سر اُٹھا دیا تو مقتدی نے وہ رکعت نہ پائی۔

(کنز الدقائق، کتاب الصلاۃ، باب ادراک الفریضہ، ص ۴۵، مکتبہ ضیائیہ، راولپنڈی)

☆ کنز الدقائق کی مذکورہ عبارت کی شرح میں تبیین الحقائق میں علامہ فخر الدین عثمان الزیلعی الحنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: ''ولنا...... عن ابن عمر أنه قال إذا أدركت الإمام راكعا فركعت معه قبل أن يرفع رأسه فقد أدركت الركعة وإن رفع رأسه قبل أن تركع فقد فاتتك تلك الركعة فهذا الأثر نص في موضع الخلاف'' ترجمہ: (مذکورہ مسئلے پر) ہماری دلیل عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مروی روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: جب تم نے امام کو رکوع کی حالت میں پایا اور امام کے رکوع سے سر اُٹھانے سے پہلے رکوع کر لیا تو تم نے رکعت پالی اور اگر تیرے رکوع کرنے سے پہلے امام نے رکوع سے سر اُٹھا لیا تو تیری یہ رکعت فوت ہوجائے گی، تو یہ اثر اختلاف کی

جگہ نص ہے۔

(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، باب ادراک الفریضہ، ج ۱ ص ۱۸۵، مکتبہ امدادیہ، ملتان)

علامہ حسن بن عمار علی المصری الشرنبلالی الحنفی علیہ رحمۃ اللہ القوی کا کلام:

☆ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں فرماتے ہیں: ’’(ومن أدرك إمامه راكعا فكبر ووقف حتى رفع الإمام رأسه) من الركوع أو لم يقف بل انحط بمجرد إحرامه فرفع الإمام رأسه قبل ركوع المؤتم (لم يدرك الركعة) كما ورد عن ابن عمر رضى الله عنهما‘‘ ترجمہ: جس نے امام کو رکوع میں پایا اور رُکا رہا یہاں تک کہ امام نے رکوع سے سر اُٹھا لیا یا رُکا تو نہیں بلکہ فقط تکبیر تحریمہ کہہ کر جھکا قبل اس سے کہ یہ حدِ رکوع تک پہنچتا امام نے سر اُٹھا لیا تو اس نے رکعت نہ پائی، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مروی روایت میں حکم وارد ہوا۔

(مراقی الفلاح شرح نور الایضاح، کتاب الصلاۃ، باب ادراک الفریضہ، ص ۲۴۰، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

علامہ طحطاوی علیہ الرحمۃ اللہ الہادی کا کلام:

☆ امام طحطاوی مراقی الفلاح پر لکھے ہوئے حاشیے میں مذکورہ عبارت کے تحت فرماتے ہیں: ’’قوله: (أولم يقف بل بمجرد إحرامه فرفع الإمام رأسه) بحيث لم تتحقق مشاركته له فيه فإنه يصح اقتداؤه ولكنه لم يدرك الركعة حيث لم يدركه في جزء من الركوع قبل رفع رأسه منه‘‘ ترجمہ: ان کا قول: (یا رُکا تو نہیں بلکہ فقط تکبیر تحریمہ کہہ کر جھکا قبل اس سے کہ یہ حدِ رکوع تک پہنچتا امام نے سر اُٹھا لیا) اس حیثیت سے کہ مقتدی کا امام کے ساتھ رکوع میں ملنا متحقق نہیں ہوا تو اس کی اقتداء تو صحیح ہوگئی لیکن اسے یہ رکعت نہیں ملی کیونکہ امام کے سر اُٹھانے سے پہلے مقتدی نے رکوع کے کسی جز کو نہیں پایا۔ (پھر آگے چل کر امام طحطاوی نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ

تعالیٰ عنہما کی وہی روایت ذکر فرمائی جو اوپر ذکر کی جا چکی ہے)۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ج ا، ص ۴۵۶، باب ادراک الفریضۃ، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

الموسوعة الفقهية الكويتية:

☆ الموسوعہ میں ہے: ''اتفق الفقهاء على أن من أدرك الإمام في الركوع فقد أدرك الركعة، لقول النبي صلى الله عليه وسلم: من أدرك الركوع فقد أدرك الركعة'' ترجمہ: فقہائے کرام اس بات پر متفق ہیں کہ جس نے امام کو رکوع میں پالیا اس نے وہ رکعت پالی، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمانِ عالی کی وجہ سے کہ ''جس نے رکوع پالیا اس نے رکعت پالی۔''

(الموسوعۃ الفقهیۃ الکویتیۃ، ج ۲۳، ص ۱۳۳، صادر عن: وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیۃ، الکویت)

میری قارئین کی بارگاہ میں التجاء ہے کہ وہ غور کریں کہ مذکورہ جتنے بھی اقوال بیان ہوئے کسی نے بھی انجینئر مرزا والا قول نہیں کیا ''کہ امام کو رکوع میں پانے والا اس رکعت کو نہیں پائے گا'' بلکہ مذکورہ احادیث مبارکہ، صحابہ کرام، آئمہ مجتہدین اور اجلہ فقہائے کرام کے اقوال و افعال اس بات پر واضح دلیل ہیں کہ یہ مرزا بدمذہب جھوٹا مکار اور احادیث کے غلط سلط اُردو تراجم سنا کر جو ناقص رائے میں آیا اُسی پر فتویٰ دینے والا ہے اور ایسے شخص کو حدیث پاک میں ملعون فرمایا گیا، اور ایسے مکاروں سے بچنا ہم سب پر لازم ہے، سیدی اعلیٰ حضرت فتاوی رضویہ شریف (جلد ۲۳ صفحہ نمبر ۳۷۸) میں فرماتے ہیں: اگر کوئی معاذ اللہ بدمذہب ہے تو وہ تو نائبِ شیطان ہے اُس کی بات سُننی سخت حرام ہے۔''

اللہ عزوجل ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الآمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

واللہ اعلم عزوجل ورسولہ اعلم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

کتبہ

ابوالمناظر سید مشاہد حسین کاظمی

دربارِ خواجہ غریب نواز میں اعلیٰ حضرت کی حاضری

مولانا سید حسین علی چشتی اجمیری علیہ الرحمہ

مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت فاضل ہندوستان مولانا امام احمد رضا خاں صاحب قدس سرہٗ العزیز[وصال ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء] بھی دو بار دربارِ خواجہ غریب نواز میں حاضر ہوئے ہیں۔ دوسری حاضری اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی خاص طور پر قابل ذِکر ہے۔آپ ۱۳۲۵ھ میں حج و زیارت کی سعادت حاصل کر کے جب ساحلِ ہندوستان پر اُترے تو آپ کے فدائی مختلف بلاد وامصار سے آپ کو لینے بمبئی پہنچ گئے تھے۔علاوہ وطن کے اور بھی کئی جگہ سے تار دیے گئے کہ آپ ہمارے وطن کو اپنے قدومِ والا سے منور فرما دیں۔آپ نے کسی کی نہ سُنی، آپ سیدھے خواجہ غریب نواز کے آستانہ پر حاضر ہوئے؛ اور خواجۂ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی درباری حاضری کے بعد آپ نے ان کے شاہزادے حضرت خواجۂ ہند کے دربار میں حاضری دی۔ یہ حاضری ایسی عقیدت ومحبت کی حامل تھی کہ ہم خدام آستانہ اور تمام مسلمانانِ اجمیر کے دلوں پر نقش ہوگئی۔آج تک ہم خدام میں اس حاضری کے چرچے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ جب اعلیٰ حضرت فاضل ہندوستان کا صفر ۱۳۴۰ھ میں وصال ہوا، اور آستانہ پر ان کے وصال کی خبر پہنچی تو......اجمیر شریف کے سارے مسلمانوں نے کافی تعداد میں جمع ہو کر قرآن اور کلمۂ طیبہ سے ایصالِ ثواب کیا۔ اور اس کے بعد علما مقررین نے ان کے زرّین کارنامے حاضرین کے سامنے پیش کیے۔ اور دُنیائے اجمیر کو یہ بتایا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی علمی فوقیت کو آج دُنیائے اسلام مانتی ہے۔ علمائے عرب وعجم ان کو اس صدی کا مجدد اور تمام علوم وفنون کا ماہر اور یگانۂ روزگار مانے ہوئے ہیں۔ان کا شعبۂ حیات اتباعِ سنت کی وجہ سے اسلامی زندگی کا ایک بہترین نمونہ ہے۔اور ان کے مذہبی رسائل اور کتابیں عقائد و اعمال کا -قولِ فیصل- اور -شریعتِ مطہرہ کا اس دور میں آخری فتویٰ ہیں-غرض کہ اس موقع پر مسلمانانِ اجمیر اور دیگر زائرین نے بڑی عقیدت مندی کا اظہار کیا۔ جو ایک زمانہ تک یادگار رہے گا۔

☆☆☆☆

ماہنامہ جہان رضا کا خصوصی نمبر

تحفظ ناموس رسالت ﷺ

ان شاء اللہ عزوجل عنقریب شائع ہوگا

مجلس رضا

MARKAZI MAJLIS-E-REZA

Email:muslimkitabevi@gmail.com